اکادمی ادبیات پاکستان

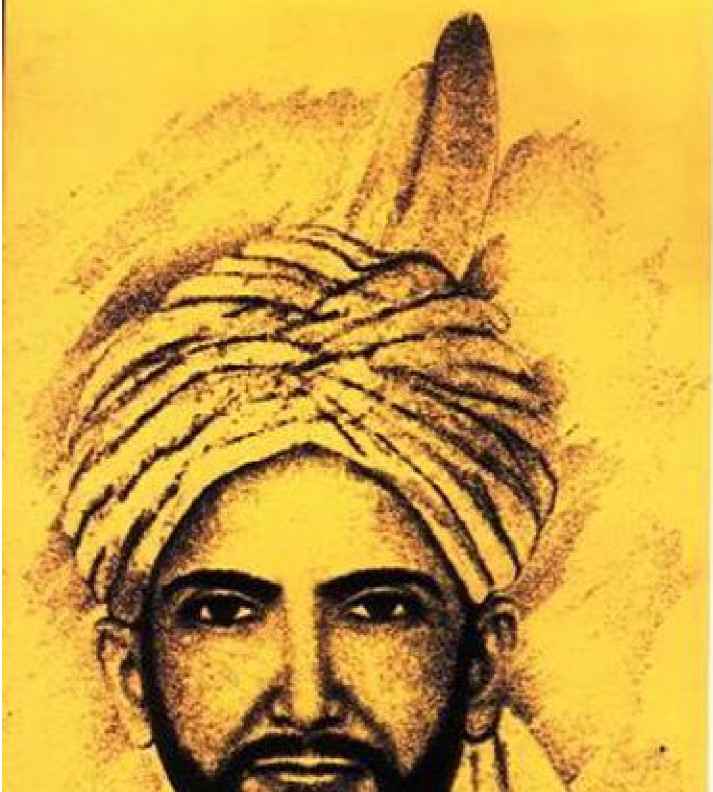

پاکستانی ادب کے معمار

مولوی غلام رسول عالمپوری: شخصیت اور فن

صاحبزادہ مسعود احمد

پاکستانی ادب کے معمار

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ

شخصیت اور فن

پاکستانی ادب کے معمار

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ
شخصیت اور فن

صاحبزادہ مسعود احمد

اکادمی ادبیات پاکستان

کتاب کے جملہ حقوق بحق اکادمی محفوظ ہیں۔

نگرانِ اعلیٰ	:	فخر زمان
تدوین و طباعت	:	سعیدہ درانی
اشاعت	:	2011
تعداد	:	500
ناشر	:	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	:	کرسٹل پرنٹرز، اسلام آباد
قیمت	:	مجلد:-/450روپے
		غیر مجلد:-/400روپے

ISBN: 978-969-472-265-8

Pakistani Adab Kay Maimar

Maulvi Ghulam Rasool Alampuri: Shakhsiyat-aur-Fun

Compiled By

Sahibzada Masud Ahmed

Publisher

Pakistan Academy of Letters

Islamabad, Pakistan

فہرست

پیش نامہ	فخر زمان	7
پیش لفظ	صاجزادہ مسعود احمد	9
حالات زندگی		11
شجرہ نسب		17
چند حقائق اور وضاحتیں		18
رہائش کا تذکرہ		24
تصانیف		26
تعارف تصانیف و مقصدیت		34
جدت و انفرادیت اور مقبولیت کا موازنہ		52
سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات		64
داستان امیر حمزہ کی خصوصیت		70
فردوسی اور مولوی غلام رسول عالمپوریؒ		88
احسن القصص کی خوبیاں		98
دیباچے کی شرح		101
عرفان و تصوف		131
مذہبی حوالے سے مولوی غلام رسولؒ عالمپوری کے اشعار کا جائزہ		140
شاعری کے حوالے سے بارہ ماہ کی خصوصیات		151
فنی محاسن		154
عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف		181
چٹھیوں میں ہجر و فراق اور معرفت و الہیات		186

شجرۂ طریقت	189
اُردو اور فارسی کلام	195
طب کے حوالے سے مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا مشاہدہ	196
قلم کی حرمت وسیادت	200
زندگی کے چند واقعات	202
گھریلو زندگی میں احسن القصص کی مقبولیت	205
مولوی صاحبؒ کے مزار پر فال نکالنے کا واقعہ	207
مولوی صاحبؒ ملکی اور غیر ملکی اہل علم اور محقق حضرات کی نظر میں	209
مولوی صاحبؒ کے بارے میں یوسف زلیخا کے اور دیگر شاعروں کی رائے	222
حواشی	228
کتابیات	244

پیش نامہ

پاکستانی زبانوں میں ہمارے مشاہیر نے پاکستانی ادب کے حوالے سے جو کام کیا ہے کسی بھی بین الاقوامی ادب کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اکادمی ادبیات پاکستان نے ان مشاہیر کے علمی وادبی کام اور اُن کی حیات کے بارے میں معلومات کو کتابی صورت میں لانے کے لئے پاکستانی ادب کے معمار کے نام سے اشاعتی منصوبہ شروع کیا ہے جس کے تحت پاکستانی زبانوں کے مشاہیر پر کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔

دلپذیر شاعری کے ذریعے توحید وتصوف کی تبلیغ کرنیوالے عظیم صوفی شاعر مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کو عالمی سطح پر مقبولیت حاصل ہے اس کا ذکر پنجاب یونیورسٹی کے بانی پروفیسر G.W.Leitner نے بھی اپنی مشہور کتاب "Histroy Of Indigineous Education In The Punjab" میں انتہائی عقیدت واحترام سے کیا ہے۔ آپؒ کا مزار اقدس موضع عالمپور، تحصیل دسوہہ، ضلع ہوشیار پور، انڈیا میں ہے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے داستان امیر حمزہ، احسن القصص، چٹھیوں اور اپنی دیگر کتب کے ذریعے اپنے معجز بیان کلام کو لافانی اور بے مثال بنا دیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب احسن القصص کے ذریعے پوری شرعی احتیاط پسندی، جامع قطعیت اور تفسیری تبلیغ کی ایک فرض ادائی کیساتھ توحید کی جو روشنی کی ہے وہ اپنی جگہ ایک کرامت کا درجہ رکھتی ہے جس طرح قرآن کریم کی آیات مبارکہ کی تعداد 6666 ہے اور احسن القصص کے اشعار کی گنتی بھی اُتنی یعنی 6666 ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، صداقت، اسلام اور معرکہ شعر وسخن کا ایک معجزہ ہے۔ مولوی صاحبؒ نے اپنی فنی مہکار اور کلام کے ذریعے راست روی، بھائی چارے، تحمل کا درس، تبلیغ دین، اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کے فروغ کیساتھ ایک عالم کو پیار محبت اور انسان دوستی کی مستی سے ہمیشہ کے لئے سرشار کردیا ہے اور سچائی کی خوشبو ہرسُو بکھیر دی ہے۔

اس اشاعتی منصوبے کی پیش نظر کتاب ''مولوی غلام رسول عالمپوریؒ: شخصیت اور فن'' اکادمی ادبیات

پاکستان کی درخواست پر معروف محقق محترم صاحبزادہ مسعود احمد صاحب نے تالیف کی ہے۔اس کتاب سے یقیناً اہل ادب اور عام قاری، ''مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی شخصیت اور فن'' سے بہتر طور پر آگاہ ہو سکیں گے۔

یہ کتاب مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے بارے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت کی حامل ہے۔اُمید ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کے اشاعتی منصوبے ''پاکستانی ادب کے معمار'' کے سلسلے کی کتاب ''مولوی غلام رسول عالمپوریؒ: شخصیت اور فن'' کو ملک اور بیرون ملک یقیناً پسند کیا جائے گا۔

فخر زمان

پیش لفظ

عظیم صوفی شاعر حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ پر یوں تو بہت سے اہل قلم نے مضامین لکھے لیکن سب سے بنیادی کام علامہ محمد حسین عرشی امرتسری نے کیا۔ پھر اُن کے بعد محمد عالم کپور تھلوی نے بہت محنت اور لگن کیساتھ مولوی صاحبؒ کی شخصیت اور کلام پر تحقیقی کام کیا۔ ڈاکٹر صادق جنجوعہ نے 1983ء میں مولوی صاحبؒ کی زندگی اور کتب پر پی ایچ ڈی کی جبکہ ڈاکٹر حفیظ احمد نے مولوی صاحبؒ کی احسن القصص پر پی ایچ ڈی کی۔ اُن کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں مولوی صاحب کی شخصیت، کلام اور دیگر اُمور کے بارے میں اپنا حصہ ڈال سکوں یقیناً یہ سارا کام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر ممکن نہیں اور اس کے لئے سچی لگن کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے علم و ادب کے شائقین اور محقق حضرات کے لئے ایک ویب سائٹ تیار کروا کر اُس میں آپؒ کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام دے دیا ہے۔ اسی طرح آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کو کمپوز کروالیا گیا ہے اور اشاعت کے مراحل میں ہیں۔ 1999ء میں مولوی صاحبؒ کے کلام اور شخصیت کے بارے میں ڈونگھے راز کے نام سے میں نے ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے لیکن آپ کے کلام کے بارے میں ابھی بہت سا کام ہونا باقی ہے۔ زیر نظر کتاب کے لئے جو سکون اور یکسوئی ہونی چاہیے تھی اتفاق سے وہ مجھے نصیب نہ ہو سکی لیکن اس کے باوجود میں نے اس کی حق ادائی کیلئے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مولوی صاحبؒ کی کتب اور اُن کے بارے میں چند اہم کتب ہمیشہ میرے زیر مطالعہ رہتی ہیں لیکن پھر بھی اتنی بڑی شخصیت کا احاطہ کرنا آسان نہیں اور پھر میرے جیسے کم فہم بندے کے بس کی بات نہیں۔ مولوی صاحبؒ ایک عظیم صوفی شاعر ہیں۔ شاعری کی جس صنف میں بھی مولوی صاحبؒ کے کلام کو پرکھا جائے تو وہ شاعری کے امام نظر آتے ہیں۔ پنجاب کی سرزمین میں اُن جیسا بڑا شاعر آج تک پیدا نہیں ہو سکا۔ اُن کے بارے میں علامہ محمد حسین عرشی نے سچ کہا ہے کہ

''مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے کمالات کو نمایاں کرنا کسی ایک فرد کے بس کا کام نہیں ہے اس کیلئے ایک باقاعدہ ادارہ ہونا چاہیے جس میں مختلف علوم وفنون، نجوم، موسیقی، طب، تصوف، تاریخ، تفسیر،

بلاغت، عروض، تلمیحات وغیرہ کے ماہرین ان علوم سے متعلقہ احسن القصص کے اشعار کی شرح لکھیں۔ میری یہ مراد کب بر آئے گی اُس کے متعلق سرِ دست کچھ کہنا مشکل ہے۔"(1)

علامہ عرشی صاحب کی یہ مراد تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پوری ہو گئی ہے کہ میرے جیسے عاجز بندے کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اکیڈمی کی شکل میں ایک ادارے کی بنیاد آج سے 18 سال قبل رکھ دی گئی تاہم اس ادارے میں مندرجہ بالا علوم کے ماہرین کو ابھی لانا باقی ہے۔ محترم فخر زمان صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو مکمل کرنے کا فریضہ مجھے سونپا۔ شاید اُنہیں یہ احساس تھا کہ میں اس کتاب کے سلسلے میں مفید ثابت ہو سکتا ہوں یقیناً اُن کا یہ انتخاب بالکل صحیح ہے کیونکہ جو معلومات حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی شخصیت اور کلام کے بارے میں میں دے سکتا ہوں وہ شاید کوئی اور شخص نہیں دے سکتا۔ لہٰذا میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ تمام ضروری معلومات کو اس مختصر کتاب میں سمو دیا جائے لیکن پھر بھی اگر کہیں کوئی غلطی یا کوتاہی نظر آئے تو اُسے میری کم فہمی سمجھ کر معاف کر دیں۔ میں نے اس کتاب میں اکثر جگہوں پر معروف محقق حضرات کے ریفرنس دیئے ہیں اُس کی وجہ لاشعوری طور پر میرے ذہن میں یہ تھی کہ اگر کوئی رائے میں اپنی طرف سے قائم کروں گا تو شائد کچھ حضرات یہ تاثر لے لیں کہ میں کچھ باتیں مولوی صاحبؒ سے نسبی تعلق ہونے کیوجہ سے جوشِ عقیدت میں کہہ گیا ہوں لہٰذا میں نے اپنی طرف سے باقاعدہ کوئی رائے قائم نہیں کی بلکہ اُن کے کلام کو آپ کے سامنے لایا ہوں۔ آپؒ کے حالاتِ زندگی اور شخصیت کے بارے میں بالکل صحیح اور مستند باتیں میں نے آپ تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ میں محترمہ سعیدہ درانی صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل کے دوران مختلف مواقع پر میرے ساتھ رابطہ رکھا۔ کتاب کی تکمیل کے دوران میں نے جن احباب کی کتابوں، مضامین، خطوط سے مدد لی ہے میں اُن سب کا شکر گزار ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سب پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور جو احباب اس دنیا میں نہیں ہیں اُن کو اس کام کے صلے میں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

صاحبزادہ مسعود احمد

عظیم صوفی شاعر سرتاج اولیاء سُلطان العارفین مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے حالات زندگی

پیدائش

حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ 5 ربیع الاوّل 1265ھ بمطابق 29 جنوری 1849ء کو موضع عالمپور تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور ہندوستان میں پیدا ہوئے۔(2)
آپؒ کی قوم گجراور گوت کسانہ تھی۔آپؒ کے دادا کا نام چوہدری سلطان علی اور دادی کا نام ہاجرہ بی بی تھا۔ آپ کے والد محترم چوہدری مراد بخش کی دو شادیاں ہوئیں پہلی شادی گاؤں لڈھیانی میں ہوئی اس بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور دوسری شادی موضع ڈھوتاں میں خداداد کی بیٹی رحمت بی بی سے ہوئی اور یہی خاتون محترمہ رحمت بی بی مولوی صاحبؒ کی والدہ تھیں۔مولوی صاحب والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ آپ کی پیدائش کے چھ ماہ بعد آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا مولوی صاحبؒ کی عمر ابھی تقریباً 12 سال تھی کہ آپ کے والد محترم بھی اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

تعلیم

ظاہری طور پر باقاعدگی سے تحصیل علم کے بارے میں کوئی سراغ نہیں ملتا اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ علم لدنی سے مستفیض تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص فضل و کرم تھا تاہم ابتدائی تعلیم کے طور پر اپنے گاؤں کے مولوی حامد صاحب سے کچھ عربی اور فارسی کی کتب پڑھیں پھر کچھ علم قریب کے ایک گاؤں غلڑیاں کے مولوی عثمان صاحب سے حاصل کیا۔

ملازمت

ظاہری علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ میر پور کے پرائمری سکول میں بحیثیت استاد پڑھانے لگے۔آپ نے میر پور کے پرائمری سکول میں بحیثیت استاد 1864ء سے 1878ء تک 14 سال تعلیم

دی۔ 1878ء میں آپ کا تبادلہ موضع مہیسر ہوگیا۔ ''مہیسر'' عالپور سے تقریباً 2 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں آپ نے 4 سال پڑھایا اور 1882ء میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر عالپور آ گئے۔ آپؒ نے تقریباً 18 سال بحیثیت سکول اُستاد ملازمت کی اور جب آپ نے استعفیٰ دیا تو اس وقت آپ کی عمر تقریباً 33 سال تھی۔ جن دنوں میر پور میں پڑھاتے رہے میر پور میں اپنی سکونت کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

عالم پور چھڈ ملیا میر پورہ بنیال
اج وچ حوض مدائنے ملے نہ لالے وال
(3)

ترجمہ: عالم پور چھوڑ کر میر پور میں سکونت اختیار کر لی ہے

خُلق اور عادات و خصائل

حضرت مولوی غلام رسول عالپوریؒ کی عادتیں بہت پیاری تھیں۔ وہ طبیعت کے بہت اچھے اور ملنسار تھے ساری عمر کسی سے غصے میں آ کر نہیں بولے۔ راہ چلتے تو نظریں نیچی ہوتیں۔ بڑے باوقار انداز سے چلتے تھے۔ خوش لباس اور خوش گفتار تھے۔ طبیعت میں لطیف سا مزاح بھی تھا۔ آپ عموماً سفید کرتا، سفید دھوتی اور سفید پگڑی پہنتے تھے تاہم کبھی کبھار مسدی پگڑی اور ملتانی لنگی بھی پہن لیتے تھے۔ آپؒ باقاعدگی سے مسواک کرتے تھے۔ آپ کی بات میں بڑی تاثیر تھی اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو فصاحت و بلاغت عطا فرمائی تھی۔ لوگ آپ کا بہت احترام کرتے تھے قوت ایمانی کا یہ حال تھا کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔

حُلیہ مبارک

حضرت مولوی غلام رسول عالپوریؒ کا قد تقریباً پونے چھ فٹ تھا۔ آپؒ کے چہرے کے نقوش خوبصورت تھے۔ جسم مبارک پتلا تھا مگر نحیف نہ تھے بلکہ صحت مند جسم تھا آپ کا جسم متناسب تھا۔ آپؒ کی داڑھی مبارک چھوٹی تھی۔ آپؒ کے ہونٹ انتہائی خوبصورت سرخی مائل تھے اور دانت سفید، ہموار اور خوبصورت تھے۔ رنگ گندمی سرخی مائل تھا۔ آنکھیں درمیانی تھیں نہ زیادہ موٹی تھیں اور نہ چھوٹی تھیں اور

ہلکی سی سُرخی مائل تھیں۔ بچپن میں بیماری کی وجہ سے آپ کے چہرے پر ہلکے سے ماتا کے داغ تھے۔ آپ کی ہتھیلی بھر پور تھی اور سُرخی مائل تھی۔ آپؒ کے سر کے بال بھر پور تھے لیکن زیادہ لمبے نہ تھے۔ آپ کی پیشانی تنگ نہ تھی بلکہ بہت مناسب تھی۔ آپ کی گردن مناسب تھی زیادہ پتلی نہ تھی اور نہ ہی بہت موٹی تھی۔

نکاح و اولاد

حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی تین شادیاں ہوئیں پہلی شادی موضع ڈھوتاں تحصیل بھونگہ ریاست کپورتھلہ اپنے ماموں علی بخش کی بیٹی کرم بی بی سے بیس 20 سال کی عمر میں 1869ء میں ہوئی یہ بیوی 1873ء میں وفات پاگئیں ان میں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ دوسری شادی گاؤں سکر الا ضلع ہوشیار پور 1881ء میں ہوئی یہ بیوی 1886ء میں وفات پاگئیں ان میں سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام ’’عائشہ بی بی‘‘ تھا۔ عائشہ بی بی کی شادی چوہدری سلطان علی سے ہوئی جو عالمپور کے قریب ایک گاؤں بلڑاں کا رہنے والا تھا۔ 1947ء سے پہلے دونوں میاں بیوی فوت ہو گئے۔ ان کی ایک بیٹی غلام فاطمہ اور بیٹا فضل احمد تھا فضل احمد جوان عمر میں ہی وفات پا گیا جبکہ غلام فاطمہ کی شادی محمد علی سے ہوئی اور یہ دونوں میاں بیوی 1947ء کے بعد پاکستان آگئے اور چند سال بعد ان کا انتقال ہو گیا ان کی اولاد فیصل آباد اور ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں آباد ہے۔ تیسری اور آخری شادی 1309 ہجری بمطابق 1891ء میں گاؤں کھڈیاں ودھایا کے رہائشی گلاب گجر کی بیٹی محترمہ زینب بی بی سے ہوئی ان میں سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام خدیجہ بی بی تھا۔ خدیجہ بی بی کی پیدائش سے تقریباً 2 ماہ قبل مولوی صاحب کی وفات ہو گئی لیکن وفات سے قبل مولوی صاحبؒ نے اپنی بیوی زینب بی بی سے کہا کہ تمہارے ہاں بیٹی پیدا ہو گی اور اُس کا نام خدیجہ بی بی رکھنا لہٰذا ایسا ہی ہوا۔ خدیجہ بی بی کی عمر تقریباً پانچ سال تھی کہ ان کی والدہ محترمہ زینب بی بی کا انتقال ہو گیا۔ محترمہ خدیجہ بی بی کی شادی چوہدری عبدالعزیز سے ہوئی جو عالمپور ہی کے رہنے والے تھے اور ان کا تعلق اہم زمیندار گھرانے سے تھا۔ محترمہ خدیجہ بی بی پاکستان بننے سے پہلے وفات پاگئیں جبکہ چوہدری عبدالعزیز پاکستان بننے کے کافی عرصہ بعد تک زندہ رہے۔ محترمہ خدیجہ بی بی کی اولاد دو بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں بڑا بیٹا عبداللطیف تقریباً 18 سال کی عمر میں پاکستان بننے سے قبل

وفات پا گیا ان سے چھوٹے سعیدہ بیگم، مسعودہ بیگم، عبدالرشید اور رضیہ بیگم ہیں۔ 1947ء کے بعد محترمہ رضیہ بیگم کی شادی چوہدری غلام قادر سے ہوئی۔ چوہدری غلام قادر موضع پھامبڑا تحصیل بھونگہ ریاست کپورتھلہ انڈیا کے رہنے والے تھے جو کہ پاکستان آ کر ضلع لائل پور (4) تحصیل سمندری کے ایک گاؤں چک نمبر 142 گ۔ب میں آباد ہوئے۔ راقم الحروف مسعود احمد محترمہ رضیہ بیگم کا بیٹا ہے جبکہ محترمہ خدیجہ بی بی کا نواسا اور مولوی صاحبؒ کا پڑنواسا ہے۔

وفات

حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ 7 شعبان 1309 ہجری بمطابق 7 مارچ 1892ء بمطابق 24 پھاگن کو 43 سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ (5)

آپؒ کو عالمپور ہی کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور وہیں آپ کا مزار اقدس ہے۔ مولوی صاحبؒ تین دن بیمار رہے دوست احباب کو بتا دیا تھا کہ ہمارا جانے کا وقت ہے جس نے ہمیں ملنا ہے مل لے تین دن بعد بوقت چاشت آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے ایک دوست مولوی عبداللہ صاحب تلونڈی والے نے کرائی ان کیساتھ مولوی صاحبؒ کا وعدہ تھا کہ پیچھے رہنے والا آگے جانیوالے کی نماز جنازہ پڑھائے گا۔ جب مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی وفات ہوئی اُس وقت مولوی عبداللہ صاحبؒ عالمپور سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں پنڈوری میں موجود تھے جہاں پر مولوی عبداللہ صاحب کو بذریعہ کشف مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی وفات کا علم ہوا اور وہ کئی میل کا پیدل سفر کر کے پہنچے جب غسل کروانے لگے تو مرحوم کی آنکھوں سے آنسو نکلے مولوی عبداللہ صاحب نے اپنے رومال سے ان کے آنسو پونچھ کر اپنے منہ پر مل لئے۔ مولوی صاحبؒ غسل کے وقت تھوڑے سے اشارہ سے پانسا پلٹ جاتے تھے۔ جب غسل کفن کے بعد قبر کی لحد میں اتارا گیا تو مولوی عبداللہ صاحب فرمانے لگے لوگو آج میں تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں مولوی صاحبؒ میرے دوست تھے اور وہ ولائیت کے بہت اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اپنی کتاب احسن القصص میں لکھتے ہیں۔

اس دنیا دی گردن اُتے قدم دھرے لنگھ جاوے

بحر طلب دے رُڑھیا جاندا لوکاں نظر نہ آوے

نہیں وفا وچ باد بہاری پئیاں جگت پکاراں
سدا نہ باغیں بلبل بولے سدا نہ باغ بہاراں
(6)

ترجمہ: انسان اس دنیا کی گردن پر قدم رکھے اور گزر جائے طلب کے سمندر میں بہتا ہوا لوگوں کو نظر بھی نہ آئے۔ باد بہاری میں وفا نہیں ہے یہ شور ساری دنیا میں مچا ہوا ہے۔ جس طرح باغوں میں سدا بلبل نہیں بولتی اور باغوں میں ہمیشہ بہار نہیں رہتی۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں نمود و نمائش سے کام نہ لے اور یوں خاموشی سے اپنا وقت گزار جائے کہ کسی کو خبر تک بھی نہ ہو۔ مولوی صاحبؒ دنیا کی بے ثباتی کا خوب صورت نقشہ کھینچتے ہیں فرماتے ہیں کہ موسم بہار میں وفا نہیں ہے یہ جہان کی پکار ہے وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔

شجرہ نسب

راقم الحروف بندہ صاحبزادہ مسعود احمد نے جنوبی ایشیاء کے عظیم صوفی شاعر سرتاجِ اولیاء سُلطان العارفین حضرت مولوی غلام رسول عالپوریؒ کا شجرہ نسب مرتب کردیا ہے تاکہ تحقیق دانوں کے لئے اور علم وادب شائقین کے لئے آسانی رہے۔ شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

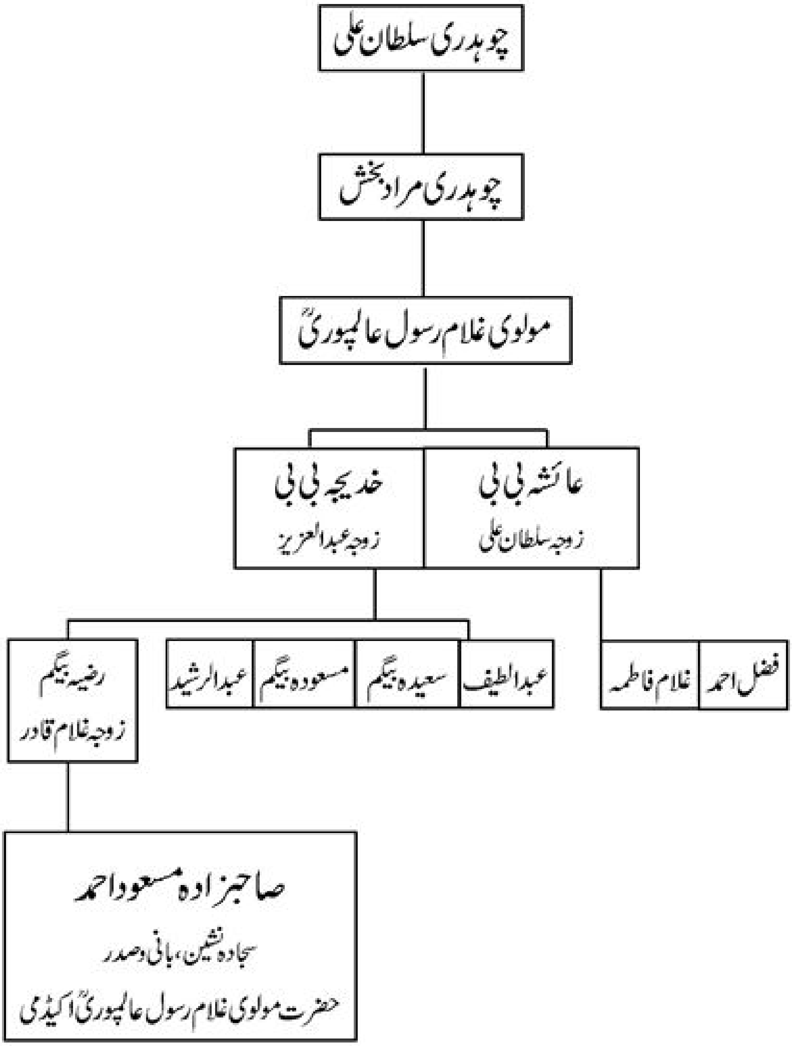

چند حقائق اور وضاحتیں

میں یہاں چند باتوں کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ آنے والی نسلوں تک صحیح اور مستند معلومات پہنچ سکیں اور تحقیق دانوں کے لئے آسانی رہے۔

(1) خلیفہ فضل دین پٹواری کے بقول بھی مولوی صاحب کی تاریخ وفات 7 مارچ 1892ء بروز سوموار 7 شعبان 1309 ہجری اور پھاگن کی 24 تاریخ تھی۔ جبکہ مارچ 1920ء میں مولوی صاحبؒ کی قبر مبارک پکی کی گئی اور اُس کے اوپر بھی تاریخ وفات 7 مارچ 1892ء ہی لکھی گئی۔

(2) میرے والد محترم چوہدری غلام قادر (مرحوم) کو بھی مولوی صاحب سے انتہائی عقیدت و محبت تھی اس لئے اُنہوں نے مولوی صاحب کے مزار اقدس کی تعمیر کیلئے 1990ء میں سردار نرل سنگھ سے بھارت میں رابطہ کیا، جنہوں نے اپنے دوستوں سے مل کر مولوی صاحب کی قبر مبارک کو 1991ء میں از سر نو تعمیر کیا۔

(3) 20 اپریل 2007ء کو 1947ء کے بعد پہلی بار راقم الحروف موضع عالپور تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور انڈیا میں مولوی صاحب کے مزار اقدس پر پہنچا تو مولوی صاحب کے مزار کے سرہانے کی طرف جو کتبہ لگا تھا اُس پر بھی مولوی صاحب کی تاریخ پیدائش 29 جنوری 1849ء اور تاریخ وفات 7 مارچ 1892ء ہی درج تھی اور یہی تاریخیں صحیح ہیں۔ راقم الحروف نے مولوی صاحبؒ کی یاد میں مختلف مقامات پر منعقدہ سیمینارز میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت بھی کی اور ہندوستان کے عوام نے ان تقریبات میں بہت بڑی تعداد میں شرکت کر کے مولوی صاحبؒ سے اپنی محبت اور عقیدت کا ثبوت دیا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے بھرپور کوریج دی۔

(4) 1995-1994ء میں عالپور ہائی سکول میں مولوی غلام رسول عالپوریؒ یادگاری ہال تعمیر ہو چکا ہے یہ یادگاری ہال کبھی مولوی صاحبؒ کی مسجد ہوا کرتی تھی اور 2007ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر چیتن سنگھ (لینگوئج ڈیپارٹمنٹ پنجاب پٹیالہ) کی کوششوں سے گورنمنٹ ہائی سکول عالپور میں مولوی صاحب

کے نام پر لائبریری بھی قائم ہو چکی ہے جبکہ چیتن سنگھ صاحب اور ڈائریکٹر لینگویج ڈیپارٹمنٹ پنجاب پٹیالہ کی خصوصی کوشش سے 2010-2009 میں راجہ رام موہن رائے فاؤنڈیشن کی جانب سے مولوی غلام رسول عالمپوری لائبریری کیلئے ایک لاکھ دس ہزار کی گرانٹ بھی منظور ہو چکی ہے۔ عالمپور ضلع ہوشیار پور انڈیا میں ہر سال 10 ہاڑ کو آپ ؒ کا عرس مبارک منایا جاتا ہے۔ مولوی صاحب ؒ کے عرس پر مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے ہزاروں لوگ جمع ہو کر عظیم صوفی شاعر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور وہاں کی اہم علمی و ادبی شخصیات کو ان کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف کے طور پر مولوی غلام رسول عالمپوری ؒ ایوارڈز دیئے جاتے ہیں۔ 20 اپریل 2007ء کو جب راقم الحروف مولوی صاحب کے مزار اقدس پر پہنچا تو میں نے آئندہ عرس مبارک کے لیے سات 7 مارچ بمطابق 24 پھاگن کی تاریخ مقرر کی جو کہ مولوی صاحب ؒ کا یوم وصال ہے۔

(5) مولوی صاحب ؒ بہت اعلیٰ پائے کے طبیب بھی تھے آپ نے اپنے گھر کے قریب ایک مسجد بنوائی جہاں آپ کی زیر نگرانی مکتب میں تقریباً 40 شاگرد دُور دراز سے آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مولوی صاحب اِن کو دینی علوم کیساتھ طب، اُردو اور فارسی کی مفت تعلیم دیتے تھے۔

(6) سید روشن علی جن کو مولوی صاحب ؒ نے منظوم چٹھیاں لکھی ہیں اُن میں ایک مصرعے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے کہ سید روشن علی پٹواری تھے جبکہ مولوی صاحب ؒ نے یہ مصرعہ محاورۃً لکھا ہے۔

جے توں مالوہ چار دن چھڈ آویں تیری جاونی کھس پٹوار ناہیں

مجھے خاندانی طور پر بھی یہ تمام معلومات ہیں اور سید روشن علی کے پوتے سید ضمیر حسین شاہ جو اس وقت 2006ء میں 85 سال کے ہیں اور فورٹ عباس میں رہائش پذیر ہیں وہ بھی میری بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ سید روشن علی پٹواری نہیں تھے اور سید روشن علی کی ایک ہی شادی ہوئی تھی جو مولوی صاحب نے اپنی معرفت ایک اچھے پٹھان خاندان میں کروادی تھی۔ سید روشن علی کے پوتے رشید محمد شاہ اور سیّد ضمیر حسین شاہ دونوں بھائیوں کے بقول سید روشن علی شادی کے بعد ریاست نابھہ کے موضع گوبند گڑھ عرف دبڑی خانہ چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی وہاں سیّد روشن علی حکمت اور امامت کرتے

تھے۔مولوی صاحبؒ کی وفات کے وقت سیّد روشن علی دبڑی خانہ سے جیتو منڈی جا رہے تھے جو دبڑی خانہ سے تقریباً 3 میل کے فاصلہ پر ہے وہیں راستے میں آپ کو روحانی طور پر مولوی صاحبؒ کی وفات کی اطلاع مل گئی جبکہ عالمپور سے جیتو منڈی یا دبڑی خانہ تقریباً 100 میل کی مسافت سے زیادہ ہے لہٰذا وہیں سے سیّد روشن علی عالمپور کی طرف روانہ ہو گئے جب روشن علی عالمپور پہنچے تو جنازہ تیار تھا حیرت کی بات ہے کہ اتنا لمبا سفر اتنی جلدی کیسے طے ہو گیا یقیناً یہ سب کچھ روحانی طاقت کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔سیّد روشن علی تقریباً 1906ء میں فوت ہوئے۔

(7) رشید محمد شاہ کہتے ہیں کہ مولوی امیر الدین جلال آبادی اُن کے والد سید عنائیت شاہ کے شاگرد تھے۔مولوی امیر الدین جلال آبادی، سید عنائیت شاہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بسلسلہ تعلیم لدھیانہ چلا گیا اور دیگر علم وہاں سے حاصل کیا لیکن سید عنائیت شاہ کے گھر اُس کا آنا جانا رہا وہ بڑا مشہور واعظ تھا لہٰذا حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی لکھی ہوئی چٹھیاں جو کہ سیّد عنائیت شاہ کے پاس موجود تھیں اُن کو مولوی امیر الدین لے گیا اور دوران وعظ وہ اُن کو پڑھ کر عوام کو فریفتہ کر دیا کرتا تھا۔

(8) فخر عالم جو کہ سید سردار احمد کے مرید تھے اُن کے بھانجے محمد سلیم جن کی موجودہ رہائش پیپلز کالونی فیصل آباد میں ہے اُن کے بقول مولوی صاحبؒ کے ایک شاگرد سید سردار احمد بھی تھے جو موضع بیرم پور تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے وہ مولوی صاحبؒ کے پاس طب کے ساتھ دینی و دنیاوی تعلیم حاصل کرتے تھے جبکہ ''احسن القصص'' کے کاتب بھی مولوی صاحبؒ کے یہی شاگرد سید سردار احمد ہی تھے وہ بتاتے تھے کہ مولوی صاحبؒ نے کبھی ایک یا آدھا مصرعہ نہیں لکھوایا ہمیشہ پورا شعر ہی لکھواتے تھے۔اور بعد میں اس کو کبھی درست کرنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ وہ ہوتا ہی درست تھا۔

(9) مولوی صاحبؒ کے والد محترم کسی مسجد کے امام نہیں تھے کچھ لکھاری حضرات نے بغیر تحقیق کے اُن کو امام مسجد لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔وہ ایک نیکدل انسان تھے اور ان کا خاندانی پیشہ زمینداری تھی۔

(10) نصاب کی کُتب اور دیگر تحقیقی کتب میں مختلف احباب نے بغیر کسی تحقیق کے محض اپنے اندازے سے مولوی صاحب کے سلسلہ طریقت کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔کسی نے لکھا ہے کہ

آپ سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے تو کسی نے لکھا ہے کہ آپ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے لیکن اُن کے پاس کوئی واضح دلیل اور سند نہ تھی۔ چونکہ اُس وقت اس سلسلے میں میرے پاس بھی کوئی واضح دلیل، ثبوت اور سند موجود نہ تھی لہٰذا میں اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ مولوی صاحب ظاہری طور پر کسی سلسلہ میں بیعت نہ تھے۔ یہ بات آپ کے وصال سے لیکر آج تک یعنی تقریباً 117 سال تک معمہ بنی رہی لیکن مارچ 2009ء میں مولوی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا منظوم شجرہ طریقت سید نجم الدین کے پڑپوتے سیّد زبیر رسول اور ڈاکٹر اویس رسول سے مجھے مل گیا ہے۔ یہ شجرہ طریقت تین زبانوں اُردو، فارسی اور پنجابی میں لکھا ہوا ہے اور یہ شجرہ مولوی صاحب نے 14 سال کی عمر میں سید نجم الدین کے ایماء پر لکھا ہے۔ مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

بعض عزیز کیتا ایماء
ایہہ شجرہ منظوم بنا
امر کیتا فی الحال ادا
دم بھر دا نہیں وسا
یا رب تیرا عبد جہول
عالمپوری غلام رسولؒ
کردا عرض کریں مقبول
رکھ سمبھال نزع دے ساہ

''لا الہ الا اللہ''

ترجمہ: مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بعض احباب نے کہا کہ میں یہ شجرہ لکھوں لہٰذا فی الحال میں نے یہ فریضہ ادا کر دیا ہے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں مولوی صاحبؒ بڑی عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا جاہل بندہ غلام رسول عالمپوری عرض کرتا ہے کہ تُو میری یہ عرض قبول کر کہ وقت نزع اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشنا۔

چونکہ اب میرے پاس شجرہ کی صورت میں سند موجود ہے اور اس شجرہ سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا

تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا لیکن میں اس شجرۂ طریقت کو شائع کر کے عوام تک پہنچا رہا ہوں اور یہ بات میں محقق حضرات پر چھوڑتا ہوں کہ مولوی صاحب کا سلسلہ طریقت کیا تھا اور ظاہری طور پر کس شخصیت کے ہاں بیعت تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ پیدائشی ولی اللہ اور وہبی شاعر تھے۔ مولوی صاحبؒ احسن القصص میں لکھتے ہیں۔

عشق کرم دا قطرہ ازلی تیں میں دے وس ناہیں
اِکناں لبھدیاں ہتھ نہ آوے اِکناں دے وچ راہیں
اِکناں کھپدیاں عمر گوائی پلے پیا نہ کائی
اِکناں ہوش جڈوکی آئی ایہہ نعمت گھر پائی
(7)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا اُس کے کرم کا ازلی قطرہ ہے اے انسان جو کہ تیرے اور میرے بس کی بات نہیں ہے کچھ لوگوں کو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا اور کچھ لوگوں کو بغیر تلاش کیے سب کچھ عطا ہو جاتا ہے بعض محنت کے باوجود ساری زندگی کچھ حاصل کیے بغیر بے کار گزار دیتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کو پیدائشی طور پہ یہ نعمت عطا کر دی جاتی ہے۔

میں نے ہمیشہ ایمانداری سے سچ بات کی ہے اور سچ بات کو صدق دل سے تسلیم کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی تاریخی شخصیت کے بارے میں قلم اُٹھانے سے پہلے پوری ذمے داری، تحقیق اور احتیاط سے معلومات اکٹھی کرنی چاہیے جن میں ذاتی خواہشات کا عمل دخل نہ ہو تا کہ آنیوالی نسلوں تک صحیح مستند اور مفید معلومات پہنچ سکیں لہٰذا تاریخ لکھنے کیلئے اعلیٰ اور کھلے ذہن کی ضرورت ہے اور یہ کام انتہائی ذمہ داری، خلوص اور ایمانداری سے کرنا چاہیے۔

(11) بھارت میں مولوی صاحبؒ کی ''احسن القصص'' ''داستان امیر حمزہ'' اور ''چٹھیوں'' کا بہت سال پہلے گرمکھی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے جو کہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے اور ڈاکٹر اُتم سنگھ بھاٹیہ کا لکھا ہوا پی ایچ ڈی کا مقالہ جسکو لینگوئج اینڈ لٹریچر ڈیپارٹمنٹ پنجاب پٹیالہ نے شائع کیا ہے وہ بھی میرے پاس موجود ہے۔ پاکستان میں بھی ہر سال آپ کی یاد میں عرس اور دیگر تقریبات کا انعقاد

کیا جاتا ہے۔ راقم الحروف نے 30 نومبر 1990ء کو اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلے میں حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اکیڈمی (رجسٹرڈ) ایک اہم کردار ادا کر رہی ہے جبکہ اکیڈمی کی جانب سے راقم الحروف نے مولوی صاحبؒ کی حیات مبارکہ اور کلام کے بارے میں تقریباً 2000 صفحات پر مشتمل ایک ویب سائٹ 2004ء میں تیار کروا کے جاری کی ہے۔ ویب سائٹ میں مولوی صاحبؒ کے بارے میں تمام معلومات، اُن کی تمام کتب اور مولوی صاحبؒ کی حیات اور فکروفن پر لکھے گئے اُردو، پنجابی اور انگریزی مقالات و منظومات کا مفصل جائزہ فراہم کر دیا گیا ہے نیز مولوی صاحبؒ کے مزار اقدس کی تصاویر، مووویز اور دیگر یادگاری تصاویر بھی ویب سائٹ میں شامل ہیں۔ 7 مارچ 2008ء سے اکیڈمی کی طرف سے مولوی صاحب کی یاد میں دنیا بھر سے منتخب شخصیات کو نمایاں علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ایوارڈز اور تعریفی اسناد دینے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔

رھائش کا تذکرہ

مولوی صاحبؒ عالم پور میں اپنی رہائش کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

عالم پور وچ دوستو عاجز دی گزران
شرق ندی بیاس تھیں اک کوہ پندھ عیان

(8)

ترجمہ: مولوی صاحبؒ اپنی رہائش کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس عاجز بندے کی عالم پور میں رہائش ہے جو کہ دریائے بیاس کے مشرق کی جانب ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

''مآرب الخاشعین'' میں اپنی رہائش کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

''امابعد بندہ ظلوم وجہول احقر غلام رُسول احسن اللہ الیہ بحسن القبول متوطن عالم پور پہلے جناب اقدس ربانی سے استعاذہ کرتا ہے کہ محض اپنے فضل سے ہم کو اَتَامُرُ ونَ النَّاسَ بِالبِرِّ وتنسُوْن انفُسکُم کے خطاب کا مصداق نہ بناوے۔''(9)

''روح الترتیل'' میں عالم پوری ہونے کا اقرار یوں کرتے ہیں۔

عالم پوری غلام رُسولا رب تھیں عرض گزاریں
ختم الرسل نبیؐ دی امت دے سنگ پار اتاریں

(10)

ترجمہ: غلام رسول عالپوریؒ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تُو مجھے آخرت میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمت کے ساتھ رکھنا۔

''احسن القصص'' میں عالم پور میں رہائشی ہونے کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

عالم پوری غلام رُسولا تیریاں عرض دعائیں
جے ول فضل وگن دن راتیں سو خوشیاں تدھ تائیں

(11)

ترجمہ: غلام رسول عالمپوریؒ تیری یہ عرض اور دعائیں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو جائے تو تجھے سینکڑوں خوشیاں نصیب ہوں گی۔

''شجرہ طریقت''میں عالم پور کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

یا رب تیرا عبد جہول
عالمپوری غلام رسول
کروا عرض کریں مقبول
رکھ سمبھال نزع دے ساہ

''لاالہ الا اللہ''

''شجرہ مسدس''میں اپنے عالمپوری ہونے کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

نال طفیل انھاندے سائیاں
پکڑ نہ سانوں بدل کمائیاں
جے اسیں اجے نہیں بھر پائیاں
ہُن مڑ ساڑ نہ وچ جدائیاں
بندہ عالمپوری سوالی
حسبی ربی فی کل حالی

تصانیف

حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی شخصیت اور کلام پر ڈاکٹر صادق جنجوعہ اور ڈاکٹر حفیظ احمد نے پی ایچ ڈی کی ہے۔ آپ کا زیادہ تر کلام پنجابی میں ہے لیکن آپ نے بڑی اہم کتب اُردو، فارسی اور عربی میں بھی تحریر کی ہیں۔ راقم الحروف نے حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی کتب کے بارے میں ترتیب وار جو تاریخ اور سن دیئے ہیں کہ اُنہوں نے کس تاریخ، سن، کتنی عمر اور کتنے عرصہ میں کتاب مکمل کی ہے یہ تمام معلومات بالکل صحیح ہیں کیونکہ تمام تر معلومات مولوی صاحب نے خود اپنی کتب میں فراہم کی ہیں۔ مولوی صاحبؒ کے بے شمار فنی محاسن میں سے ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپؒ کی تمام کتب کے نام اس طرح سے ہیں کہ کسی کتاب کے نام کے اعداد نکال لئے جائیں تو اُس کتاب کا سن تالیف نکل آتا ہے پھر آپ نے ہر کتاب میں اُس وقت اپنی عمر، اُس کا سن تالیف، ہجری، عیسوی اور بکرمی سن میں دے دیا ہے اس لئے آپ کی کتب کے بارے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہ جاتا کہ آپؒ نے وہ کتاب کتنی عمر اور کس سن میں لکھی ہے اس کے بارے میں میں نیچے مولوی صاحب کی کتابوں کے تذکرے میں آپ کے وہ اشعار تحریر کر رہا ہوں۔

(1) آپؒ نے سب سے پہلے ''داستان امیر حمزہ'' کی پہلی جلد پندرہ سال کی عمر میں تقریباً ایک ماہ میں 1281 ہجری بمطابق 1864ء میں مکمل کی جبکہ دوسری اور تیسری جلد بروز جمعرات 16 محرم 1286ھ بمطابق 29 اپریل 1869ء 8 بیساکھ 1926 بکرمی 20 سال کی عمر میں 2 ماہ میں مکمل کی۔ جس کے اشعار کی تعداد تقریباً 20000 ہزار ہے۔ داستان امیر حمزہ میں آپؒ اس کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

گزری ورھیاں پندراں عمر میری اس روز
جاں بھریا وچ کاغذاں کڈھ دِلے دا سوز
اندر تھوڑے دِناں دے ہویا ثُلث تیار
پھیر سبب تقدیر دا گزر گیا وچکار
(12)

داستان امیر احمزہ کی پہلی جلد ثلث یعنی تیسرا حصہ آپ نے پندرہ سال کی عمر میں نظم کیا پھر کسی وجہ سے آپ اس طرف توجہ نہ کر سکے اور جب دوست احباب نے مجبور کیا اور فرمائشیں کیں تو اس وقت مولوی صاحبؒ کی عمر 20 سال ہو چکی تھی۔ اس کا ذکر اپنے ان اشعار میں کرتے ہیں۔

جاں میں اس فرمائشوں مڑ ہتھ قلم لئی
ویہہ برساں تھیں تداں نوں عمر وہا گئی
شوق دلے نوں آیا حُب پئی دل آ
دو ماہ ودھ کجھ باقیوں لئی فراغت پا
پوری ہوئی داستان یار ہوئے سُن شاد
اج غلام رسول نوں کہو مبارک باد
اک دن ایس جہان تھیں ہو جانا برباد
میری وچ جہان دے رہے نشانی یاد
لکھیاں بیتاں اِسدیاں ہوئیاں اج شمار
ہور ہندی وچ سینکڑے ہندے ویہہ ہزار
پوری ہوئی داستان جاں ایہہ دل افروز
ماہ محرم سولھویں پنج شنبہ دا روز
تے اج ہجری سن ہے دو سو اک ہزار
ہور چھیاسی سمجھ توں آیا وچ شمار
ماہ بیساکھوں اٹھویں سمت چھبویں جان
نو سو اک ہزار ہے ہندی سال بیان
ماہ اپریل اُنتویں اٹھ سو اک ہزار
سن اُنہتر عیسوی گزریا وچ شمار

(13)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب دوست احباب نے فرمائشیں کی اور میں نے دوبارہ لکھنا شروع کیا تو اُس وقت میری عمر بیس سال ہو چکی تھی اور دل میں شوق اور پیار آیا تو دو ماہ سے کچھ وقت اوپر میں نے باقی ماندہ دونوں جلدیں لکھ دیں داستان مکمل ہوگئی دوست احباب خوش ہوئے آج غلام رسولؒ کو اس کام پر مبارک باد کہو ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے لیکن میری یہ نشانی دنیا میں یادر ہے گی اس کے اشعار کی تعداد بیس ہزار ہے اور جب یہ داستان دل افروز مکمل ہوئی اُس وقت محرم کی سولہ تاریخ بروز جمعرات 1286ھ بمطابق 8 بیساکھ 1826 بکرمی موافق 29 اپریل 1869ء سن تھا۔

(2) دوسری کتاب ''روح الترتیل'' 19 سال کی عمر میں 1285ھ بمطابق 1868ء کو مکمل کی جس کے اشعار کی تعداد 256 ہے۔اس بارے میں یوں معلومات دیتے ہیں۔

ایہہ قواعد چند ضروری کارن مومن بھائیاں
میں پنجابی بولی اندر بیتاں صاف بنائیاں
پُر معنی وچ تھوڑیاں لفظاں یاد کرن آسانی
اڑھائی سو چھ بیتاں اس دیاں وچ اعجاز بیانی
تے روح الترتیل رسالے نام موافق پایا
سنہ ہجری تالیف اس دی دا ناموں ظاہر آیا
تے جوہرالترتیلوں پاویں سنہ تصنیفی ایویں
جہت مطابق ہر اعتباروں نام دھرے میں دوویں
ہجری سنہ دو صدیاں اُتے اک ہزار پچاسی
کاتب قاری عمل کنندیاں یا رب بخش خلاصی
میں دل طلب دعا اخلاصوں متاں وسارن قاری
پھیر قلم سر حرف خطا دے پکڑ صفا گل ساری
عالم پوری غلام رسولا رب تھیں عرض گزاریں
خَتم الرُّسُل نبی دی اُمت دے سنگ پار اُتاریں
(14)

ترجمہ: مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چند ضروری قوائد مومن بھائیوں کیلئے پنجابی اشعار میں صاف طور پے لکھ دیئے ہیں تا کہ وہ اشعار کی صورت میں انہیں آسانی سے یاد رکھ سکیں اس کے 256 اشعار ہیں اور اس کتاب کا نام روح الترتیل ہے اس تالیف کے نام سے اس کا ہجری سن نکالا جا سکتا ہے اور اگر جو ہر الترتیلوں کے نام سے بھی ہجری سن نکالا جائے تو بھی ہر طریقے سے ایک ہی سن نکلتا ہے جو کہ 1285ھ بنتا ہے۔ اے اللہ اس کے پڑھنے لکھنے والوں کو بخش دینا میں پُر خلوص دل سے دعا کا طالب ہوں غلام رسول عالمپوری عرض گزار ہے کہ اے اللہ آخرت میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمت کے ساتھ رکھنا۔

(3) تیسری کتاب احسن القصص ہے جو آپ نے 24 سال کی عمر میں ایک ماہ میں 1290ھ مطابق 1873ء کو مکمل کی۔ اس کتاب کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں۔

جس دن میں آغاز قصے تے اسم اللہ دا پڑھیا
بارہ سو تے نوے ہجری سال مبارک چڑھیا
سارا ماہ محرم مینوں وچ تصنیف وہایا
اج اخیر محرم سندی جاں مقصد سر آیا
احسن القصص دھر نام قصے دا میں لکھیا تن واری
پورا سال ہویا تصنیفے نال ربیدی یاری
چھ ہزار چھیاہٹ چھ سو بیتاں گنتی آئیاں
ناقص شعر کمال حقائق رب دیاں بے پروائیاں
اے ناظر کر غور وڈیرا دیکھ سخن دیاں لہراں
ایہہ گلشن بستان ارم تھیں شوق وگن وچ نہراں
ایہہ گلزار بہار عنائیت کھلی لطف الٰہوں
عشق موثر نظری آیا درد بھری اس آہوں

پکڑ قلم بھر عشق النبا ورقاں وچ وگائی
رخت جلے وچ سوز برہوں دے دیکھ رہن سودائی
اصل بیانوں وچ سخن دے میں ناں گل رلائی
سورت یوسف دی تفسیروں سچی گل سنائی

(15)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس دن اللہ کا نام لے کر میں نے اس قصے کو شروع کیا اُس وقت 1290ھ سال مبارک شروع ہوا محرم کا پورا مہینہ مجھے اس کتاب کے لکھنے میں صرف ہوا اور آج محرم کی آخری تاریخ ہے جب یہ کتاب مکمل ہوئی یہ قصہ سالِ تصنیف میں تین بار لکھا درحقیقت اس بیت سے یہ مراد ہے کہ اس کی تصنیف کا سال اعداد سے تین گناہ ہے حروف ابجد کے لحاظ سے احسن القصص کے 430 عدد ہیں جب ان کو تین بار جمع کیا گیا تو 1290 ہو گئے اور یہی تصنیف کا سال ہے اس قصے کے اشعار کی تعداد 6666 ہے اے دیکھنے والے ذرا غور کر اور سخن کی خوبی کو دیکھ یہ جو گلشن تمہیں نظر آ رہا ہے یہ ایسے ہے جیسے جنت کے باغ میں نہریں بہتی ہیں یہ باغ و بہار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عنایت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دردمند دل کو نصیب ہوا تو میں نے قلم پکڑ کر اس عطائے ربی کو کاغذ پر منتقل کرنا شروع کر دیا۔ جدائی کے درد میں جلے ہوئے دیکھ کر حیران ہو نگے میں نے یہ قصہ لکھتے وقت اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہیں کی بلکہ اصل قصے کو بیان کیا ہے اور سورت یوسف کی تفسیر سے سچی بات سنائی ہے۔

مولوی غلام رسول عالپوریؒ کا لکھا ہوا فارسی قطعہ بھی موجود ہے قطعہ اور حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

قطعہ تاریخ طبع کتاب احسن القصص طبع زاد مولف

سنگ طبع از انطباع نقش عشق آتش فشاند
نقدِ ہستی سوخت مستان را وزآن چیزی نماند
ای زسنگ طبع سر برزد کتابی کش زنام
سال تصنیفش سہ چنداست وچو در طبعش نشاند

آتش زد سنگ طبع از انطباع نقد سوز

نقش برسنگ آمد از ہاتف کہ بہر سال خواند

ترجمہ: طبیعت کے پتھر نے عشق کے نقش کی چھاپ سے آگ لگادی جس نے مستوں کی ہستی کی پونجی جلادی اور اُس میں سے کوئی چیز باقی نہ رہی یہ کہ طبیعت کے پتھر سے ایک کتاب وجود میں آ گئی اس کے نام سے اس کی تصنیف کا سال تین گنا ہے۔ نکال لیجیے اور جب اس کو طبع میں رکھا تو پونجی کی چھاپ کی جلن سے طبیعت کے پتھر نے آگ لگادی تو فرشتے کی طرف سے نقش پتھر پر آ گیا تو اس کو سال کے لئے پڑھ لیجیے۔ اس قطعہ کی تشریح کے لئے مولوی صاحبؒ نے فارسی میں تین حواشی تحریر کئے ہیں۔ ہم ان کا مفہوم درج کرتے ہیں تا کہ مولوی صاحبؒ کی زبانی بات واضح ہو جائے۔

۱۔ اسکے ظاہر معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ قصہ سال تصنیف میں تین بار لکھا لیکن درحقیقت اس بیت سے یہ معنی مراد ہیں کہ اس کی تصنیف کا سال اعداد سے تین گنا ہے۔ حروفِ ابجد کے لحاظ سے احسن القصص کے چار سو تمیں عدد ہیں۔ جب انکو تین بار جمع کیا گیا تو ایک ہزار دوصد نوے ہو گئے اور یہی تصنیف کا سال ہے۔

۲۔ اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مولوی صاحبؒ نے احسن القصص کے اعداد کو سہ چند کرنے سے تصنیفی سن ۱۲۹۰ ہجری نکالا اور محرم کے ماہ میں اس کو مکمل کیا۔

(4) چوتھی کتاب ''مسئلہ توحید'' یہ اُردو نثر میں ہے جو آپ نے 29 سال کی عمر میں 17 ذیعقد 1295ھ مطابق 1878ء کو مکمل کی۔ اس کے آخر میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

بہ تمام شُد بتاریخ 17 ذیقعد 1295ھ

(5) ''سی حرفی حلیہ شریف حضورﷺ'' 27 ربیع الاول 1297ھ مطابق 9 مارچ 1880ء موافق 28 پھاگن 1936 بکرمی بروز منگل بوقت عصر میراں وجانی موچی کی فرمائش پر تحریر کیا۔ اس وقت آپ کی عمر 31 سال تھی۔ حلیہ مبارکﷺ کے شروع میں یوں بیان کرتے ہیں۔

''حلیہ شریف حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سید المرسلین خاتم النبین محبوب رب العالمینﷺ''

بفضل خدا تعالیٰ ایں سی حرفی متضمن حلیہ مبارک درحیطۂ تصنیف و در حوزۂ تحریر آوردہ شد بتاریخ

بست وہفتم از ماہ ربیع الاوّل سن یک ہزار دو صد نو ہفت ہجری مقدس مطابق 9 مارچ 1880ء موافق 28 پھاگن سمت 1936 بروز سہ شنبہ بوقت عصر بفرمائش میراں وجانی اسکاف۔

(6) ''چٹھیاں'' مولوی صاحبؒ نے سید روشن علی، ہیرے شاہ اور صاحبزادہ غلام یٰسین کو منظوم چٹھیاں لکھیں۔ جو چٹھی آپ نے سید روشن علی کو لکھی ہے اس میں مولوی صاحبؒ خود فرماتے ہیں یہ نامہ بتاریخ 8 محرم 1300 ہجری بمطابق 26 کاتک سن 1939 بکرمی بمطابق 10 نومبر 1882ء بروز دوشنبہ (یعنی بروز سوموار) بوقت نیم روز (یعنی بوقت دوپہر) جانی موچی کی دکان میں بیٹھ کر بحالت درد چشم لکھا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر 33 سال تھی۔ سید روشن علی کو لکھی گئی آخری چٹھی کا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

اکھیں دکھدیاں نال میں خط لکھیا دوپہر دا وقت دن پیر دا اے
اج اٹھویں ماہ محرموں ہے صدی تیرھویں سال اخیر دا اے
(16)

ترجمہ: جب میں یہ خط لکھا تو اُس وقت میری آنکھوں میں درد تھا جبکہ کے دوپہر کا وقت اور پیر کا دن ہے اور محرم کی آٹھ تاریخ سن 1300ھ ہے۔

(7) ''سی حرفی سسی پنوں'' یہ سی حرفی آپ کی شاعری کا خوبصورت اور اعلیٰ نمونہ ہے۔

(8) ''سی حرفی چوپٹ نامہ'' یہ سی حرفی آپ کی شاعری کا خوبصورت اور اعلیٰ نمونہ ہے۔

(9) ''پندھ نامہ'' یہ منظوم ہے اور یہ ایک عورت کے راستہ دریافت کرنے پر لکھا گیا ہے۔ اس میں مولوی صاحبؒ نے 212 دیہاتوں' قصبوں اور شہروں کے نام شمار کیے ہیں۔ جو کہ آپ کی قادر الکلامی کا واضح ثبوت ہے۔

(10) مولوی صاحبؒ کی دسویں اور آخری تصنیف جواب تک سامنے آئی ہے وہ ''مآرب الخاشعین'' ہے جو کہ اُردو نثر میں آپ کی دوسری تصنیف ہے۔ مآرب الخاشعین آپ نے 1305ھ بمطابق 1888ء کو 39 سال کی عمر میں لکھی ہے۔

''مآرب الخاشعین'' کے شروع میں ہی آپ نے مندرجہ ذیل معلومات دی ہیں۔

''امابعد بندہ ظلوم وجہول احقر غلام رسول احسن اللہ الیہ بحسن القبول متوطن عالم پور پہلے جناب اقدس ربانی سے استعاذہ کرتا ہے کہ محض اپنے فضل سے ہم کو اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کے خطاب کا مصداق نہ بناوے ثانیاً استدعا ہے کہ زندہ دلوں کے شرف التفات سے مستفید فرماوے پھر طلبہ دینیات کی خدمت میں عرض ہے کہ اس خاکسار الم چشیدہ درد نایافت کے دل میں ڈالا گیا کہ باایں بے بضاعتی بمراد ایقاظ الرقود کہ بحالت ہجود غفلت کی نیند میں سوئے پڑے ہیں اُن کے جگانے کے ارادہ پر ایک موجز سار سالہ حیز تحریر میں آوے اور اس میں مقصود تنبیہ نفس خود ہو استقلالاً وافادہ سُعیدا ی اشتمالاً فشرِ عَ مستعدیاً باللہ وھو یھدی السبیل چونکہ اس قسم کا بیان ارباب خشوع کی کامیابی کا مقام ہے اور بھی بلحاظ حسن التفاول و بر عائیت تطابق عام التصنیف اس کا نام مآربُ الخاشِعین 1305 مقرر ہوا فیہا الخاشعون انظر وافیہا ماقیل من مآ ربکم مع اغماض النظر عن قائہا وحافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ و اقبلوا ہا بالصلوۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قٰنتین تقسید اِختیارِ زبان اُردو کا باعث یہ ہے کہ اس دیار کے جن جن سعادت مندان ازلی کو مایۂ علمی کمتر ہے وہ بھی اسکے استفادہ سے بالکل بے بہرہ نہ رہیں اور علمائے بیدار دل کو خود مجھ سے بے سروسامان کے تیقیظ کے احتیاج نہیں اور اس میں بسبب نہایت اختصار التزام سلاستِ لغت عمل میں نہیں آیا تو کوئی شائق قلیل البضاعت کسی فائق جلیل الاستطاعت سے اسکی بعض اغلاق لفظی یا معنوی کا استکشاف کرے تو چند مبہمات و مجملات کے شرح وتفصیل سے محظوظ و کامیاب ہووے ہاں تکلفات عبارۃ آرائی ورنگینی فقرات سے اجتناب کیا گیا کہ حارج مقصد ہے و باعث صرف توجہ الی غیر المطلوب الرکعۃ الاولی فی ضرورۃ الصلوۃ ضرر تر کہا۔ سنی العزیز اسعدک اللہ وایاي عقائد کی تصحیح کے بعد عمدہ ترین عبادات و جامع جمیع خیرات و برکات صلوۃ ہے اسکے اتیان بعمل سے بڑھ کر نہ کسی عمل کی فضیلت ہے اور نہ اس کے ترک کی برائی کے برابر کوئی فضیحت اسلئے قیامت کے دن سب اعمال سے پہلے مومن کی نمازوں کا حساب لیا جاویگا''۔

تعارف تصانیف و مقصدیت

اکثر شعراء اور مصنفین نے ایک سے زائد موضوعات پر کتب تحریر کی ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ اُن کی ہر کتاب کو مقبولیت حاصل ہوئی ہو۔ اگر ہم اپنے پنجابی صوفی شعراء کو ہی دیکھیں تو انہوں نے بھی مختلف تصانیف تحریر کیں لیکن انکی بھی کسی ایک ہی تصنیف کو شرف قبولیت نصیب ہوئی لیکن جب ہم حضرت مولوی غلام رسولؒ کی تصانیف کو دیکھتے ہیں تو ایک حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ کی قلم سے جو بھی تحریر ہوا اُسکو شرف قبولیت ملا اور بام عروج کو پہنچا مثال کے طور پر داستان امیر حمزہؓ احسن القصص، چٹھیاں جن کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لوگوں کو زبانی یاد ہیں اور عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی وہ کتب جو ابھی شائع نہیں ہوئی ہیں حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ بھی عوام الناس کو زبانی یاد ہیں۔

داستان امیر حمزہ

یہ داستان اصل میں حمزہ اور نوشیروان کی ایک لمبی جنگ کی کہانی ہے۔ نوشیروان ایران کا بادشاہ تھا چونکہ ایران عرب دشمنی صدیوں سے چلی آرہی تھی اور داستان لکھتے وقت ہندوستان کے مسلمانوں کو بہادری کا سبق دے کر اس سرزمین کو انگریزوں سے پاک کرنے کا بھی ایک مقصد تھا۔ اس لئے مولوی صاحبؒ نے مسلمانوں کو اپنے فن سے سپاہ گری کا فن سکھانے کے ساتھ ساتھ عربوں سے وہ اعتراض دور کرنے کی کوشش کی ہے جو شاہنامہ میں فردوسی نے ایرانیوں کے مقابلے میں عربوں پر کیا۔ بلکہ اُس سے کئی گناہ زیادہ عربوں کو بہادر، جرات مند اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ثابت کیا ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ جس وقت یہ داستان لکھی گئی اس وقت مسلمان ہر طرح زوال کی طرف جا رہے تھے اس لئے اُن کو جوش دلوانا بھی مقصود تھا۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اس مقصد میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ اسے پڑھ کر آدمی اپنے اندر جرات اور گرمی کی حرارت کو محسوس کرتا ہے۔

روح الترتیل

یہ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ روح الترتیل میں آپؒ نے علم تجوید اور

قرآنی معلومات کا خزانہ بند کیا ہوا ہے۔ قرآنی مثالوں سے ساری کتاب بھری ہوئی ہے۔ قرآنی منزلوں کے بارے لکھتے ہیں۔

پہلی منزل باجھ الحمدوں سورت تن شماروں
پنج ست نو تے گیاراں تیراں پینٹھ اخیر قرآنوں

(17)

ترجمہ: پہلی منزل میں چار سورتیں ہیں باقی منزلوں میں حسب ترتیب پانچ، سات، نو، گیارہ، تیرہ اور آخری میں پینسٹھ اس طرح کل 114 سورتیں پوری ہوگئیں۔

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے اس کے دو نام ''روح الترتیل'' اور ''جواہر الترتیل'' رکھے ہیں اور ابجد کے حساب سے ان ناموں سے انہوں نے اس کا تصنیف کا سال 1285ھ نکالا ہے۔ 256 اشعار کی مثنوی اسلوب کی اس نظم میں مصنف نے پنجابی زبان میں قرأت کے قواعد بیان کئے ہیں۔ مولوی صاحبؒ نے یہ ساری باتیں رسالے کے آخر پر ''دعائے خیر در اختتام رسالۃ'' کے عنوان کے نیچے اس طرح بتائی ہیں۔

ایہہ قواعد چند ضروری کارن مومن بھائیاں
میں پنجابی بولی اندر بیتاں صاف بنائیاں
پُر معنی وچ تھوڑیاں لفظاں یاد کرن آسانی
اڑھائی سو چھ بیتاں اسدیاں وچ اعجاز بیانی
تے روح الترتیل رسالے نام موافق پایا
سن ہجری تالیف اسدی دا ناموں ظاہر آیا
تے جوہرالترتیلوں پاویں سن تصنیفی ایویں
جہت مطابق ہر اعتباروں نام دھرے میں دوویں

(18)

ترجمہ: میں نے یہ ضروری قواعد مومن بھائیوں کی ضرورت کیلئے پنجابی زبان میں صاف صاف

اشعار بنا دیئے ہیں تا کہ اختصار سے لکھے گئے پُر معنی الفاظ کو یاد کرنے میں آسانی رہے اس کے 256 اشعار ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں اور اس رسالے کا نام روح الترتیل ہے جس سے اس کی تالیف کا سن ظاہر ہوتا ہے اور جواہر الترتیلوں کے نام سے بھی تصنیفی سال کے اعداد یہی نکلتے ہیں دونوں طرح سے میں نے اس کے نام رکھ دیئے ہیں۔

مولوی صاحبؒ تصنیف کے سال کو مزید واضح کرتے ہیں۔

ہجری سن دو صدیاں اتے اک ہزار پچاسی

(19)

روح الترتیل کو مولوی صاحبؒ نے پندرہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ دستور کے مطابق اس کی ابتداء حمدیہ اور نعتیہ اشعار سے کی ہے۔ پھر چار یاروں، اہل بیت اور اماموں پر درود بھیجا ہے۔ پھر تجوید بارے احادیث اور آیات کو نظمایا ہے۔ جیسے

سرور عالم وچ ''مشارق'' یاراں نوں فرماون
بہتر وچ تساں اوہ مومن پڑھن قرآن پڑھاون
با تجوید نزول قرآنی ' حرفاں حق ادائی
فرض ایہائی ' شک نہ کائی ' جاں لگ طاقت پائی
ورتل القرآن ترتیلا رب وچ قرآن فرمایا
باترتیل پڑھن قرآنے ' حکم ضروری آیا

(20)

ترجمہ: سرور عالم ﷺ مشارق الانوار میں دوستوں کو یہ فرما رہے ہیں کہ تم میں سے بہتر مومن وہ ہے جو قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے اور تجوید کے ساتھ قرآن کریم کو اُس کے نزول کے مطابق پڑھانا اصل میں اُس کا حق ادا کرنا ہے۔ یہ فرض ہے اور اس پر کسی قسم کا شک نہیں ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اسکا حق ادا کرنا چاہئے۔ قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو یہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے اور قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا ضروری حکم آیا ہے۔

پھر حروف تہجی کے مخارج کی تعداد بارے چار اشعار کا مقدمہ لکھا ہے۔ مخرج کسے کہتے ہیں۔ مولوی صاحبؒ بتاتے ہیں۔

مخرج ہے اوہ جاگہ جس تھیں حرف جو باہر آوے
اکثر کہن ستاراں مخرج ' واضح آکھ سناوے
(21)

ترجمہ: مخارج ۔مخرج کی جمع جس عضو یا حصہ سے کسی حرف کا تلفظ ادا ہوتا ہے وہ عضو یا حصہ اس حرف کا مخرج کہلاتا ہے۔ مخرج معلوم کرنے کا طریقہ ہے کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا مطلوب ہو اس کو ساکن کر کے اس سے قبل ایک ہمزہ متحرک لگا کر اس کو ادا کرے جس جگہ آواز رک جائے وہی اس کا مخرج ہے۔

پھر دعائے خیر کے نو اشعار کے بعد چار اشعار میں تلاوت کے سجدوں بارے لکھ کے رسالہ ختم کیا ہے۔ روح الترتیل میں قرآن پاک کی سورتیں' آیات' کلموں' حروف اور حرکتوں کی تعداد ایسے بتائی گئی ہے۔

سورۃ	114	قصص	1000
آیات	6666	حلال حرام	500
امر	1000	دعائیں	100
نہی	1000	ناسخ منسوخ	66
کلمات	76439	رکوع	558
حروف	322670	لازم وقف	85
زبر	53243	وقف ص	83
ضم	8804	مطلق وقف	3502
زیر	39582	سکتے	8
لفظ	105681	وقف ط	1155

مداں	1771	ز	191
تشدید	1253	جائزوقف	1578

یہ فصل مولوی صاحبؒ کی دینی مہارت اور قادرالکلامی کا بہت بڑا ثبوت ہے کیونکہ ہر مصرعہ صنعت سیاق الاعداد کا مظہر ہے اور پھر اعداد بھی ایسے کہ لاکھوں تک پہنچتے ہیں۔ان میں شعری روانی کو قائم رکھنا مولوی صاحبؒ کا ہی کام ہے۔قواعد سے الگ روح الترتیل میں قرآن مجید کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے وقت کتابی شکل دینے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے وقت ایک قرأت دینے کے بارے میں تفصیلی ذکر ہے۔اس میں حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں 25ھ کے جھگڑے کا تاریخی اشارہ ملتا ہے۔

جسدن عہد غنی سن پنجی جھگڑا پیا خلافوں
تاں اصحاب جمع کر لکھیا لغت قریشی صافوں
(22)

مختلف علاقوں میں مختلف قرأت شروع ہوگئی تھیں اور فتنے کا ڈر تھا۔اس لئے حضرت عثمان غنیؓ نے قریشی قرأت کے مطابق قرآن پاک لکھا اور کئی شہروں میں اُس کی کاپیاں بھیج دیں۔جس کے متعلق مولوی صاحبؒ درج ذیل شعر میں لکھتے ہیں۔

اک مدینے دوجا مکے تیجا شام پہنچایا
چوتھا بحر یمن وچ بصرے اک کوفے اپڑایا
(23)

پھر لکھتے ہیں۔

حکم دتا جے انہاں مطابق کرو قرأت سارے

سچ بات یہ ہے کہ ’’روح الترتیل‘‘ کی ہر فصل کا جواب نہیں۔مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی علمیت اور شعری مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔انہوں نے سخت محنت کر کے چند ضروری قواعد کو صرف 256 اشعار میں نظما دیا ہے کیونکہ اشعار میں مشکل سے مشکل بات بھی جلدی یاد ہو جاتی ہے۔انہوں نے بالکل

ٹھیک کہا ہے۔

پُر معنی وچ تھوڑیاں لفظاں یاد کرن آسانی
اڑھائی سو چھ بیتاں اسدیاں وچ اعجاز بیانی

(24)

احسن القصص

احسن القصص مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی ایک مایہ ناز کتاب ہے۔ جس کے اشعار کی تعداد قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے برابر 6666 ہے۔ مولوی غلام رسولؒ عالمپوری نے اپنی لازوال مثنوی میں حضرت یوسفؑ کی پیغمبرانہ شان کو مدنظر رکھتے اور خیر وشر کی کشمکش دکھاتے ہوئے حضرت یوسفؑ کو مرد مومن اور مرد پاکباز اور زلیخا کو پہلے گناہگار پھر راہِ صدق کی بے چین روح کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ مولوی صاحب نے یہ فلسفہ اُجاگر کیا ہے کہ انسان آزمائشوں کے بعد ہی کامیاب انسان بنتا ہے۔ امتحان اور دکھ انسان کو کندن بنا دیتے ہیں۔ احسن القصص میں مردانہ اور زنانہ دو طرح کے کردار آتے ہیں۔ احسن القصص کے کرداروں کی نوعیت اور آپس میں تعلقات کے موجب اُن میں بادشاہ، رعایا، آقا، غلام، عاشق، معشوق، باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی، سہیلی، ہم جولی، دوست، دشمن، بوڑھے، جوان، بچے، شیر خوار، خوش وخرم، غمگین اور رنجیدہ خاطر کردار نظر آتے ہیں۔ اس داستان کے کردار تاریخی نوعیت کے ہیں۔ خاص طور پر یوسفؑ اور یعقوبؑ کے کردار۔ ان کرداروں کے ذریعے اپنے بزرگوں کے کارنامے اور پچھلی تاریخ سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مولوی صاحبؒ نے ان کو اس طرح پیش کیا ہے کہ یہ داستانی کردار اصلی تاریخی ہستیوں سے زیادہ معلوماتی لگتے ہیں۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے اپنا یہ منصب خوب نبھایا ہے۔ انہوں نے تخیل سے کام لے کر تاریخی کرداروں میں ہر بوڑھے، جوان، بچے، عورت اور مرد میں ایک فاصلہ رکھا ہے۔

مسئلہ توحید

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی اُردو نثر میں دو کتابیں ہیں۔ ''مسئلہ توحید'' اور ''ما رب الخاشعین'' ہیں۔ مسئلہ توحید 10 صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جس میں قرآنی آیات اور احادیث کی مدد سے توحید پر

روشنی ڈالی گئی ہے۔

سی حرفی حلیہ شریف

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری نے یہ سی حرفی 31 سال کی عمر میں 9 مارچ 1880ء کو اپنے دوست جانی موچی کی فرمائش پر لکھی۔ اس سی حرفی میں مولوی صاحبؒ نے امت کے والی حضورﷺ پُرنور کا سراپا بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس میں نبی پاکﷺ کے خلق، کردار، عظمت اور پاک سیرت کی صفات اور کچھ تاریخی واقعات اور معجزوں کا بیان ہے۔ اس کتاب میں مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ نے اشعار میں اپنا تخلص استعمال کرنے کی بجائے اپنے دوست جانی موچی کا نام لیا ہے۔ جیسے

الف: آؤ محبوب دا دید کریئے جہدے حسن جمال دی شان بھاری
جس دے نور ظہور تھیں طبق چوداں کرسی عرش جنت طبقات ناری
جس دے عشق دی تیغ نے عرب کٹھا سنے عجم ہر دیس دی خلق ساری
جانی یار دی یاریوں جان واری اکو وار نہ لکھ ہزار واری
(25)

یہ حلیہ شریف مولوی صاحبؒ کے حسنِ بیان، زور بیان اور فن کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ اس میں زبان اور بیان سے زیادہ حسن عقیدت کے بھی اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ مولوی صاحبؒ نے حضورﷺ کی سراپا نگاری کیساتھ ساتھ ان کی سیرت، کردار، اخلاق، اسوۂ حسنہ، سنت اور عادات وخصائل کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور حضور نبی کریمﷺ کی صفت ثناء اور مداح سرائی کا بھی حق ادا کیا ہے۔

ب: بہت اُس حسن دیاں خوبیاں نیں خالق پاک نے آپ وڈیایا ای
حُسن یوسفی بوند اس بحر وچوں جس مصر کنعان تڑپایا ای
ظاہر حسن اوہو وچ مظہراں دے دیکھن والیاں نوں دسیایا ای
جہناں جانیاں جان قربان کیتی جو کجھ پاونا سی سو پایا ای
(26)

مولوی غلام رسول صاحبؒ نے حضورﷺ کا سراپا بیان کرتے وقت ادب، عشق اور عجز و نیاز سے

آغاز کیا ہے اور بڑی ہی لطیف، خوبصورت اور اعلیٰ تشبیہات استعمال کر کے اپنے مضمون کو زوردار بنایا ہے۔ آپ نے ایسے استعارے اور ایسی تشبیہیں استعمال کی ہیں جو اس اعلیٰ ترین شخصیت کے شایان شان تھے اور آپ ﷺ کے لئے ہی بنے ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ج: جسم شریف لطیف انور خوشبو ناک کستوریوں بھاوندا اے
اک وار جس راہ تھیں گذر جاندے کئی مدتاں اثر نہ جاوندا اے
قربان تاتار لکھ ختن نافہ عنبر عطر شمار کس آوندا اے
خوشبو دے اثر ہر یار جائی مگر جا ان پچھیا پاوندا اے
(27)

ترجمہ: آپ کا جسم انتہائی لطیف اور کستوری کی خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ ایک دفعہ جس راستے سے گزر جاتے تھے مدتوں وہاں سے خوشبو نہ جاتی تھی۔ ملک تاتار کے شہر ختن کے لاکھوں نافہ آپؐ پر قربان اور عنبر اور عطر تو کسی شمار میں ہی نہیں آپ کی خوشبو کا یہ اثر ہوتا تھا کہ ہر اصحابی بغیر کسی کے دریافت کرنے سے آپؐ کے پاس پہنچ جاتا تھا۔

حضور ﷺ کے قد مبارک کے بارے میں مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا قد درمیانہ تھا نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا تھا۔ آپ ﷺ نہ لاغر تھے نہ ہی فربا۔ آپ ﷺ کے نزدیک جو بھی کوئی مرد ہوتا وہ حضور پاک ﷺ سے چھوٹا ہی نظر آتا۔ آپ ﷺ کا ماتھا مبارک چودھویں کے چاند جیسا تھا جس میں سے نور کی کرنیں نکلتی تھیں۔ بھنویں محراب جیسی تھیں۔ ابرو کے بال باریک اور آنکھیں نور سے بھری تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی مروارید سے بڑھ کر تھی بیچ میں سرخ ڈورے تھے۔ لب مبارک لال سرخ، دانت مبارک، سفید موتیوں سے بڑھ کر باریک، رخسار ہموار، ریش مبارک مشت بھر تھی خوب گھنی، مونچھیں کتری ہوئیں اور بال چھوٹے تھے۔ آپ ﷺ کے صرف 17 بال مبارک سفید ہوئے تھے۔

مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ حضورؐ کا سراپا بیان کرتے لکھتے ہیں۔

ق: قوس بھواں محراب دونویں جنہاں تیغ نوں ادب سکھایا ای
وال بہت باریک دو ابرووَاں دے گھت ابر بہار سوہایا ای
وچکار دو بھواں دے نور لشکے مار چمک دل جان نوایا ای
جانی جان فدا اوس سوہنے توں دھن بھاگ اوہدے جس جایا ای

(28)

ترجمہ: آپ ﷺ کی بھویں قوس کی طرح تھیں اور انہوں نے تلوار کو بھی ادب سکھایا تھا۔ آپؐ کے ابروؤں کے بال انتہائی باریک تھے جو ابر بہار کو بھی موہ لیتے تھے۔ آپؐ کی دونوں بھوؤں کے درمیان نور چمک رہا تھا اور اس نے چمک دکھا کر دل اور جان کو اپنا مطیع کر لیا ہے۔ میری جان اُس محبوب پر فدا ہو جائے اور وہ ماں جس نے آپ کو پیدا کیا ہے وہ بڑی قسمتوں والی ہے۔

مولوی صاحبؒ نے حضور ﷺ کی انگلیاں مبارک کو چاندی کی شاخوں سے تشبیہ دی ہے

شاخاں چاندی دیاں اُنگلیاں لمیاں سی جانی ویکھدا ہو قربان رہیا

مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ حضور ﷺ کے رُخ انور کو بدر سے بھی پیارا اور خوبصورت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

جنہاں ویکھیا تنہاں نے بدر کہیا جدوں ہور نمونہ نہ لبھ دا ای
نالے بدر دا قدر کیہہ مثل ہووے اوہ خود اک خادم اوہدی شبدا ای
گردن خوب دراز موزوں جاتی جس تے فضل جہان دے رَبّ دا ای

(29)

ترجمہ: جنہوں نے آپ کو دیکھا انہوں نے آپ کو چودھویں رات کا چاند کہہ دیا جب اُنہیں کوئی اور مثال نہ مل سکی بلکہ چودھویں رات کا چاند بھی آپؐ کی مثل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو خود بھی آپؐ کی رات کا ایک غلام ہے۔ آپؐ کی گردن مبارک لمبی، خوبصورت اور موزوں تھی جبکہ اللہ تعالیٰ کا اُس پر خاص فضل تھا۔

مولوی صاحبؒ نے اس سراپا نگاری میں قرآن پاک اور حدیث سے بھی مدد لی ہے۔ اپنے اشعار

میں آپ نے قرآن اور حدیث سے حوالے لے کر حضورﷺ کے فضائل بیان کیے ہیں۔ مولوی غلام رسولؒ نے اس حلیہ شریف میں حضورﷺ کے سر سے لے کر پاؤں تک سراپا نگاری کی ہے اور خوب جی بھر کر حضورﷺ کی نعت کہی ہے۔ آپؒ نے حضورﷺ کے حسن وصورت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حسنِ سیرت کا بھی بیان جاری رکھا ہے۔ آپؒ اس حلیہ شریف کو اس شعر پر ختم کرتے ہیں۔

سوہنا اندروں جویں تیویں باہر سب سوہنیاں سیس نوایا ای
جانی سوہنے دا سب کجھ انت سوہنا اول آخروں ایہہ فرمایا ای

(30)

ترجمہ: آپؐ جیسے اندر سے خوبصورت تھے ایسے ہی آپؐ باہر سے بھی خوبصورت تھے اور سب حسینوں نے آپؐ کے سامنے سر کو جھکا دیا ہے۔ حضورؐ ایسے حسین تھے جن کا ہر قول و فعل خوبصورت تھا یعنی آپؐ اوّل آخر حسن کا ایک شاہکار تھے۔

چٹھیاں

دلوں کے راز دلوں سے باہر اگر کہیں ملتے ہیں تو وہ نجی چٹھیوں میں ہی ملتے ہیں۔ انسان کی شائستگی اور تہذیب کا پتا اُس کے خطوط لکھنے کے سلیقے سے لگتا ہے۔ چٹھیاں نجی اور عوامی دو طرح کی ہوتی ہیں۔ عوامی چٹھیوں میں لکھاری کی سیرت اور کردار کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا مگر نجی چٹھیوں میں راز و نیاز کی کئی ایسی باتیں ہوتی ہیں اور اُس کی خلوت کی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ ’خانگی خطوں میں اور خاص کر ان خطوں میں جو اپنے عزیز اور مخلص دوستوں کو لکھے جاتے ہیں ایک خاص دلچسپی ہوتی ہے جو دوسری تصانیف میں نہیں ہوتی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی بے ریائی ہے۔ تکلف کا پردہ بالکل اٹھ جاتا ہے اور مصلحت کی دراندازی کا کھٹکا نہیں رہتا۔ گویا انسان اپنے سے خود باتیں کر رہا ہے۔‘‘ مولوی صاحبؒ نے اپنے شاگرد سید روشن علی اور دوستوں ہیرے شاہ اور غلام یٰسین کو اُن کے مقام سے بڑھ کر الفاظ سے مخاطب کیا ہے اور جب چاہا ہے مخاطب کیا ہے۔ چٹھی کے آغاز میں پکارنا ضروری نہیں سمجھا بلکہ چٹھی کے درمیان کئی بار مخاطب کیا ہے۔ اس طرح اپنے پیارے دوست کو بیلیا، سیدا، میاں سیدا، سجنا اور یارا جیسے خوبصورت الفاظ سے پکارا ہے۔ اسی طرح ہیرے شاہ کو جانیا، سجنا اور ہیریا کے الفاظ سے مخاطب کیا

ہے۔مولوی صاحبؒ کی چٹھیوں میں عشق فراق اور تصوف کا درس بہت زیادہ ملتا ہے۔جہاں کہیں مکتوب الیہ کو مخاطب کرتے ہیں تو تب چٹھی معلوم ہوتی ہے ورنہ کچھ اور۔سید روشن علی اور ہیرے شاہ محض نشانہ ہیں۔اُنکی طرف چٹھیوں کے رنگ میں تصوف کے رموز بیان کرتے ہیں۔سید روشن علی کو لکھتے ہیں۔

وے میں ہور ناہیں تے توں ہور ناہیں میں توں مورتاں اصل صور دیاں او
معنے اک وچہ صورتاں فرق بھاویں اکو اک ایہ بھی دم بھر دیاں او
(31)

ترجمہ: تمام انسان ایک ہی خالق کی تصویریں ہیں میں اور تُو میں کوئی فرق نہیں ہے اگر صورت کا فرق ہے لیکن معنے ایک ہیں۔

مولوی صاحبؒ نے عشق کے بارے اپنی ہر تصنیف میں کھل کر لکھا ہے۔اُن کی چٹھیاں عشق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔سید روشن علی کے نام چٹھی میں لکھتے ہیں۔

عشق روہڑ دا تے روہڑ ساڑ دا اے ندیاں وہندیاں تھیں لاٹاں چاونے نوں
ایہہ عشق ہے بحر عمیق بھارا کاہنوں پیا ہیں بھیت پھلاونے نوں
(32)

ترجمہ: عشق بہا دیتا ہے اور بہا کر جلا دیتا ہے اور بہتی ہوئی ندیوں سے بھی لاٹیں نکلتی ہیں۔یہ عشق ایک گہرا سمندر ہے تو کس لئے اس کے بھید کو ظاہر کر رہا ہے۔

مولوی صاحبؒ اپنی دوسری تصانیف کی طرح چٹھیوں میں بھی بات میں سے بات نکالتے جاتے ہیں اور بات کو لمبا کرنا آپ کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔خیالوں کی وادی کو طے کرنا اُن کا شغل معلوم ہوتا ہے۔وہ زندگی کو بہت قریب سے دیکھتے بھی ہیں اور اُس کی گہرائی تک پہنچتے بھی ہیں۔جگہ جگہ پر خیالات کی پرواز دکھائی دیتی ہے جس وجہ سے وہ زندگی کے بنیادی حقائق تک پہنچتے ہیں۔

سی حرفی سسی پنوں

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری نے طویل داستانوں کے علاوہ کچھ مختصر داستانیں بھی قلم بند کی ہیں جیسے ''سی حرفی سسی پنوں''۔اس قصے میں بھی صوفیانہ رمز، دنیا کی بے ثباتی اور برہوں کی آگ کے جلتے

شعلے دیکھے جاسکتے ہیں۔ سسی پنوں کا یہ سارا قصہ تیں بندوں پر مشتمل ہے۔ سی حرفی میں ابجد کے حروف کو ترتیب وار شروع کر کے سارے حروف کا ایک ایک بند تیار کیا ہے۔ پنجابی میں اس سی حرفی کو باقاعدہ داستان تو نہیں کہا جا سکتا مگر سلطان العارفین حضرت مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ نے سسی کے غم کو بڑے دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔ سہاگ رات کو پنوں کے بھائی پنوں کو اپنے ساتھ کجاوے میں ڈال کر لے جاتے ہیں۔ سسی کی بے خبری نے اُسے جیتے جی دکھ کے صحراوں میں پامال کر دیا۔

ب: برہوں دے قہر دوگاڑے میرے دل وچ کاری لگے
کر گھائل سٹ گئے شکاری ، کیہ جاناں کت ول وگے
کر کے جُدا پنوں تھیں مینوں ، میرے دکھاں نے سکھ ٹھگے
دیکھ غلام رسول سسی نوں جیہڑی مردی مرنوں اگے

(33)

ترجمہ: جدائی کے قہر والے دو تیر میرے دل پر آ کر سخت لگے ہیں۔ وہ مجھ کو (سسی) زخمی کر کے پھینک کر چلے گئے ہیں میں نہیں جانتی کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ مجھے اُنہوں نے پنوں سے جدا کر دیا ہے اور میرے دکھوں نے میری خوشیاں چھین لی ہیں۔ اے غلام رسول تو سسی کی طرف دیکھ جو مرنے سے پہلے ہی مر گئی۔

سسی، پنوں کے پیچھے بے حال ہو گئی اُس کو اپنے مقام و مرتبے کی کوئی سدھ بدھ نہ رہی۔ اُس کے عشق نے اُس کو صحرا کی تپتی ریت میں ننگے پاؤں چلایا۔ سسی کی ماں کی نصیحتیں سسی کے دل میں نہ بیٹھیں۔ ماں سسی کو بہت روکتی مگر دکھوں کی تصویر سسی غم کی گہری سوچ میں پھنس کر رہ گئی۔

زار و زار سسی پئی روندی اماں پکڑ پلو کھلیارے
نہ کر پچھا ایہو جیہاں دا جیہڑے پاپ کرن ہتھیارے
ندیاں چیر ملیندے ساجن تے ایہہ گل تھیں لا سدھارے
غلام رسول کیہ پیت تنہاں دی جیہڑے درد نہ ونڈن ہارے

(34)

ترجمہ: سسی زار وقطار رو رہی ہے اور اُس کی ماں اُسکا دامن پکڑ کر اُسے روکنے کی کوشش کرتی ہے تو ایسے آدمیوں کا پیچھانہ کر جو گناہ کی زندگی گزارتے ہیں۔ عاشق تو ندیوں کو پار کر کے دوستوں کو گلے سے لگاتے ہیں لیکن یہ ہمیں اپنے گلے سے اُتار کر کسی طرف کو چل دیئے ہیں۔ اے غلام رسول اُن کی کیا محبت ہے جو ایک دوسرے کا درد بھی نہیں بانٹتے۔

میں ان اشعار کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں ذرا ان کی خوبصورتی دیکھئے۔

ظ: ظالم عشق دھگانا کیتا سسی پاڑ پلو اٹھ دھائی
کھوجے کھوج پنوں دی راہیں اوہ کردی گئی دوہائی
پیر ننگے اتے مہندیوں رنگے وچ کنڈیاں پھرے دبائی
ہور غلام رسول برہوں دے چڑھ سورج لاٹ وگائی
(35)

ترجمہ: ظالم عشق نے زیادتی کی ہے اور سسی اپنے دامن کو پھاڑ کر دوڑ نکلی اور وہ پنوں کے راستوں کا کھوج لگاتی ہوئی پنوں کے نام کی دُہائی دیتی گئی اُس کے پیر ننگے اور مہندی سے رنگے ہوئے تھے اور وہ کانٹوں پہ چلتی ہوئی جا رہی تھی۔ اے غلام رسول جدائی کے سورج نے چڑھ کر ہر طرف روشنی پھیلا دی ہے۔

مولوی صاحب نے قصے کو کوئی طول نہیں دیا وہ چاہتے تو احسن القصص اور داستان امیر حمزہؓ کی طرح اس قصے کو بھی پھیلا کر پیش کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے کام کی باتوں کو کم سے کم الفاظ میں پیش کرنے کا ڈھنگ اپنایا ہے۔ مولوی غلام رسولؒ اپنی ہر تصنیف میں ایک یکتا اور انمول تخلیق کے طور پر سامنے آتے ہیں اور اپنے پورے فکری اور فنی نظام کو اپنے ساتھ لے کر چلتے دکھائی دیتے ہیں۔

چوپٹ نامہ

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا یہ قصہ بہت ہی خوبصورت انداز میں لکھا گیا ہے۔ چوپٹ نامے کا ہر بند چار مصرعوں پر مشتمل ہے اور چاروں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہیں۔ اس کے بندسی حرفی کی

ہیت پر لکھے گئے ہیں۔ سی حرفی چوپٹ میں پیار محبت اور ہجر وجدائی کی وارداتوں کا بیان نظم ہوا ہے جیسے۔

الف: اجاگر کیتیاں تیرے عشق انوکھے
آ مل مینوں سوہنیا ہن نہ دے دھوکھے
اکھیں تھیں جے دور ہیں نہیں دلوں پروکھے
وردی چمک جمال دی وچ عشق جھروکے

(36)

ترجمہ: تیرے عشق انوکھے نے یہ باتیں ظاہر کر دی ہیں کہ اب مجھے آ کر مل جاؤ اور مزید دھوکے نہ دو۔ اگر تم آنکھوں سے دور ہو تو دل سے دور نہیں ہو اور عشق کے روشندان میں حسن کی چمک برس رہی ہے۔

ث: ثابت ہو کھڑی ہاں مینوں چھوڑ نہ جائیں
نال تیرے پندھ ٹری ہاں مینوں موڑ نہ جائیں
ایہہ دل شیشہ شوق دا ، مینوں پھوڑ نہ جائیں
میں ہتھ پلو پکڑیا ، ہتھ توڑ نہ جائیں

(37)

ترجمہ: میں تیرے عشق میں اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑی ہوں۔ مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔ میں نے تیرے ساتھ کچھ سفر طے کیا ہے مجھے راستے سے ہی نہ موڑ دینا۔ یہ دل عشق کا شیشہ ہے اسے ضائع نہ کر دینا۔ میں نے تیرا دامن اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا ہے تم اسے توڑ نہ جانا۔

چوپٹ نامہ مولوی غلام رسول عالپوری صاحبؒ نے کسی دوست کو مخاطب کر کے نہیں لکھا یہ ایک فطری فریاد ہے جو عشق الٰہی میں مستغرق ہے۔

ر: روواں اس وقت نوں جد پیاس مٹاویں
جاں توں بیٹھ بنیریوں مڑ جھاتی پاویں

ایہہ دل دید وچھنڑا مڑ سل وگاویں
دوروں پانی چھڑک کے میری اگ بجھاویں

(38)

ترجمہ: میں اُسوقت کو رو رہی ہوں جب تو میری پیاس بجھائے گا یا تو منڈیر سے بیٹھ کر میری طرف دیکھے گا تو اُس وقت میرا دل جو تیری دید کا پیاسا ہے اُس کی طرف جیسے تو پتھر پھینکتا ہے یہ اسی طرح ہے جیسے تو دُور سے پانی چھڑک کر میری آگ بجھا رہا ہے۔

پندھ نامہ

مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ کی علمیت اور قافیہ پیمائی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فی البدیہہ اشعار لکھنے میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک بار ایک عورت کے کسی گاؤں کا راستہ پوچھنے پر مولوی صاحبؒ نے 212 دیہات، شہروں اور قصبوں کے نام شمار کر چھوڑے۔ اُس عورت نے جس گاؤں جانا تھا اُس کو اس کا نام بھول گیا جب اشعار میں مولوی صاحبؒ نے مطلوبہ گاؤں ''مولی'' کا نام لیا تو وہ بی بی فوراً بول پڑی کہ میں نے اسی گاؤں جانا ہے۔ اس طرح مولوی صاحبؒ کی طرف سے شہروں، قصبوں اور دیہات کے ناموں کو اشعار میں استعمال کرنے کا ایک نمونہ دیکھیں۔

عالم پور، چک بلڑہ کاہلم، کالووال، میانی
کھوکھر، ڈوگر، تلا، مدا، پنڈوری، لڈھیانی
پل پختہ ، فیروز ، دوبرجی ، ٹانڈہ لکھاں جانواں
اڑمر ، یحیٰ پور ، تلونڈی ، کھڈا ، دھگاں رانواں

(39)

پنجابی شاعری میں الگ الگ شعراء حضرات نے اپنے اشعار میں کچھ مشہور اور تاریخی شہروں کا ذکر ضرور کیا ہے مگر اتنی بڑی گنتی میں مسلسل دیہاتوں اور شہروں کے نام پہلی بار ہی ایک جگہ اشعار میں آئے ہیں۔

مآرب الخاشعین

مآرب الخاشعین کے عنوان کے نیچے اردو زبان میں لکھی ہوئی مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی یہ واحد نثری کتاب ہے۔ یہ اسلوب اور عبارت آرائی جہاں ہمیں انیسویں صدی کے ربع آخر کے ادبی رنگ ڈھنگ کا پتہ بتاتی ہے وہاں مولوی صاحبؒ کے علم اور فضل کا بھی پتا دیتی ہے۔ اس انداز بیان سے الگ ترکیبیں اور محاورے بھی اُس وقت کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ مآرب الخاشعین کے چوراسی صفحات ہیں اس میں نماز کے مسائل قرآنی آیات سے بڑے بہتر انداز میں بیان کیے ہیں۔

''مآرب الخاشعین'' کے اعداد 1305 اس کی تالیف کے سال ہجری کا پتا دیتے ہیں۔ جو کہ 1887 عیسوی سال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے اپنی کتاب کا نام رکھنے کے فوراً بعد صلوٰۃ الوسطیٰ اور خاشعین کا ذکر لا کر نماز کی اہمیت اور نماز میں مومنوں کی حالت خشیت اللہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی لئے اس ساری کتاب میں نہایت عالمانہ انداز میں نماز کے لازمی مسائل پر بحث کی ہے۔ قیامت والے دن لوگوں کو سجدے کیلئے پکارا جائے گا لیکن برے لوگ سجدہ نہیں کرسکیں گے اور وہ بہت ذلیل ہوں گے۔ اُن کا یہ حال اس لئے ہوگا کہ دنیا میں صحت اور فرصت کی حالت میں جب سجدے کیلئے بلایا جاتا تھا تو اُن سے نہیں ہوسکتا تھا۔ بیشک وہ راندے گئے ہیں۔ دوزخ کے علاوہ اُن کا اور کوئی ٹھکانہ نہیں۔ مجرم خواہش کریں گے کہ میرے بدلے میرے بیٹے بیوی یا بھائی کو دوزخ میں عذاب دیا جائے اور مجھے چھوڑ دیا جائے۔ مگر یہ بات کون مانے گا؟ اس طرح مولوی صاحبؒ نے کتاب کے اس حصے میں قرآن مجید سے کئی حوالے پیش کرکے ڈرانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد احادیث پیش کی گئی ہیں آنحضراتﷺ نے فرمایا ''بندے اور کافر کے درمیان صرف نماز کے ترک کا ہی فرق ہے'' پھر حضورﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو بندے کا سب سے زیادہ پسندیدہ کام اُس کا وقت پر نماز پڑھنا ہے'' اسی طرح حضورﷺ کا ارشاد کہ ''جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ دوزخ میں قارون' فرعون' ہامان اور ابن خلف کے ساتھ ہوگا''۔ پانچ وقت نماز کی اہمیت بتاتے ہوئے مولوی صاحب حضورﷺ کا ارشاد یاد کراتے ہیں کہ ''حضورﷺ نے ایک دن اپنے دوستوں کو بتایا کہ تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہتی ہو اور وہ اُس میں ہر روز پانچ دفعہ غسل کرے تو کیا پھر بھی اُس کے جسم پر کچھ میل رہے گی؟ اصحاب نے کہا یا رسول

اللہ ﷺ اس پر تو بالکل میل نہیں رہے گی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہی پانچ وقت نماز کی مثال ہے''۔مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے نماز پڑھنے کے فائدے اور ترک کرنے کے نقصان قرآن مجید اور احادیث کے حوالوں سے ایسے موثر انداز سے سمجھائے ہیں کہ کسی مسلمان کے دل پر اثر چھوڑے بنا نہیں رہ سکتے۔چند بزرگوں کی مثالیں دے کر مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نماز میں محویت اور استغراق بارے نصیحت کرتے ہیں کہ اسقدر محویت ہو کہ اگر جسم کو تیر آ لگے یا جسم میں سے تیر کھینچا جائے یا جس حجرے میں وہ نماز ادا کر رہا ہو اسے آگ لگ جائے اور نمازی کو کوئی خبر نہ ہو۔اس فصل کے آخر میں مولوی صاحبؒ اُن خطرات سے خبردار کرتے ہیں جن سے نماز درست نہیں رہتی۔تیسرے باب میں نماز کے کچھ ابتدائی اصول بتائے گئے ہیں۔اذان کی اہمیت اتنی بتائی گئی ہے کہ کان میں آواز پڑتے ہی اٹھ کر نماز کی طرف چل پڑنا چاہئے۔طہارت کو نمازی کی بڑی شرط بتایا گیا ہے۔نماز کو مقررہ وقت پر پڑھنا بھی ضروری شرط ہے۔مآرب الخاشعین کی چوتھی فصل نماز کے ایک ایک لفظ کی حکمت بارے عالمانہ اور فاضلانہ بحث کی فصل ہے۔آخری فصل میں مولوی صاحبؒ نماز کے الفاظ کے معنی یاد کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں کیونکہ معنوں کے بغیر نمازی کو اپنی التجا کا بھی پتا نہیں چل سکتا اور نہ ہی اُس کی التجا میں اثر پیدا ہو سکتا ہے۔اس کتاب میں کافی جگہوں پر عبارت مشکل ہے۔اپنی اس مشکل گوئی کا احساس مولوی صاحبؒ کو بھی تھا۔اسی لئے وہ قاری کو ایک مشورہ دیتے ہیں۔اُس مشورے کی زبان بھی اتنی آسان نہیں۔(40)

ملاحظہ فرمائیں۔

''اس میں بسبب نہایت اختصار التزام سلاست لغت عمل میں نہیں آیا تو کوئی شائق قلیل البضاعت کسی فائق جلیل الاستطاعت سے اس کے بعض اغلاق لفظی یا معنوی کا استکشاف کرے تو چند مبہمات و مجملات کی شرح و تفصیل سے محظوظ و کامیاب ہووے''۔

مشکل گوئی کے باوجود مولوی صاحبؒ کا انداز بڑا ہی موثر ہے اور کہیں کہیں نثر میں نظم کی جھلک پڑتی ہے اور بیان میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔عبارت آرائی کا رنگ کئی جگہ پر دکھائی دیتا ہے۔لا الہ الا اللہ بارے بحث کر رہے ہیں۔''اس نفی و اثبات کے رفع و وضع' انتفاء و ابقا کی عبارت و اشارت و بشارت

کی لذت کو اسی کا مذاق پاتا ہے۔ زہے دولت کہ اس لذت کو بھولتا نہیں اور اگر چاہے کہ اس لذت ذوقیہ کو بیان میں لاوے تو امکان نہیں رکھتا' کیونکہ اسکے بیان کی جولان کو کسی عبارت و اشارت کا میدان ملتفی نہیں''۔(41)

مولوی غلام رسول عالپوریؒ نماز کو متقی اور خاشعین کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں نماز کے سارے ارکان اور اعمال پر اچھی طرح روشنی ڈالی ہے۔ وہ خشوع کو صحیح نماز کی شرط قرار دیتے ہیں۔ مآرب الخاشعین کا چوتھا باب نماز کے ایک ایک لفظ کی حکمت بارے عالمانہ اور فاضلانہ بحث کا باب ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نمازی جب اللہ کے حضور کھڑا ہوتا ہے اسے اپنی طاقت، زور اور انا سے دستبرداری کا احساس ہوتا ہے اور خدا کو وہ جمالی اور جلالی لحاظ سے بہت بڑا سمجھتا ہے۔ اس کے منہ سے زبردستی نکل جاتا ہے اللہ اکبر۔ اسی طرح مولوی صاحبؒ ایک ایک جز کی حکمت بتاتے ہوئے عبادت اور استعانت کے خاص جز پر پہنچ جاتے ہیں۔ نمازی کہتا ہے''ایاک نعبد '' اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ نمازی اپنی اور سارے جہاں کی عابدیت اور عبودیت اور حق واحد کی معبودیت' مالکیت اور الوہیت سامنے رکھتا ہے اور عبادت کو قرب کا وسیلہ خیال کرتا ہے۔ وہ پھر اللہ کی مدد حاصل کرنے کیلئے ''وایاک نستعین '' کہتا ہے۔ اُس کا موجب''ایاک نعبدو ایاک نستعین '' کہنے سے بندہ شریعت اور طریقت کا جامع ہو جاتا ہے کیونکہ عبادت کا نام ہی شریعت ہے اور عبادت کے ذریعے اللہ سے استعانت کرنے اور باطنی صفائی' اُس کے پھل سے کامیاب ہونے کی خواستگاری کرنے کا نام طریقت ہے۔(42)

حقیقت تک پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک کسبی اور دوسرا وہبی۔ کسبی طریقہ عقل اور علم کی راہ اختیار کرتا ہے اور وہبی ذریعہ انسان کو سیدھا ہی حقیقت کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ عقل کا تعلق دلوں کے ساتھ ہے اسی لئے شک کی گنجائش پھر بھی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح عقل حقیقت تک پہنچنے سے معذور ہے لیکن عشق وہ وہبی جذبہ ہے جو ساری حدود کو عبور کر کے صرف قلب کے تعلق اور نفس کی بلندی کے ذریعے حقیقت الحقائق تک پہنچ جاتا ہے۔

جدت و انفرادیت اور مقبولیت کا موازنہ

اللہ تعالیٰ کی حمد سے احسن القصص کا آغاز ہوتا ہے اور حمد کا پہلا لفظ ہی عشق ہے فرماتے ہیں۔

عشق بھنا اخلاص نہلایا رنگیا رنگ شہودی
صدق صفا دی آب ہوائیں پلیا وچ خوشنودی

(43)

حمد باری تعالیٰ میں آپ بڑے خوبصورت پیرائے میں انسان کو اُس کا عہد یاد کراتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیا عہد کر کے یہاں آیا ہے اور اب اس عہد کو کیوں بھول رہا ہے اُسے کیا کرنا چاہیے تھا، کیا کر رہا ہے، کہاں جانا ہے اور کہاں جا رہا ہے فرماتے ہیں۔

پائے راز برہوں دے بھارے تے توں عہد پکائے
بول بلیٰ اقراری ہویوں آن غضب سر چائے
بار امانت چاء نہ سکے زمیں فلک بے چارے
اِنس ظلوم جہول اُٹھایا ہن کیوں عہدوں ہارے
اے غدار نہ ہار اقراروں انت پچھوں ہتھ ملنا
کتول چلیوں کدھر چلنا کس سنگت وچ رلنا

(44)

ترجمہ: اے انسان تو اللہ تعالیٰ سے بلیٰ کا عہد کر کے یہاں آیا ہے جبکہ زمین و آسمان نے یہ امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا آخر کار اس ظالم و جاہل انسان نے عہد کا وعدہ کیا اب اس عہد سے نہ ہار اے غدار اگر اقرار سے روگردانی کرے گا تو آخرت میں پچھتاوا ہو گا تو کدھر جا رہا ہے تجھے کدھر جانا چاہیے تھا اور کن کے ساتھ تجھے رہنا تھا اس بات کو یاد کر۔

پھرانسان کواُس کا کھویا ہوامقام یاددلاتے ہیں۔

تُوں پُرشان دلاور ضیغم ہویوں آپ نتانا
خود نوں جان شغال کمینہ بیٹھوں چھوڑ ٹکانا
تیں وچ انور گوہر عالی نہ کر گرد آلودہ
چاہ ترقی چھوڑ رذالت مریں نہیں بے ہودہ

(45)

ترجمہ: اے انسان تُو بڑی شان والا بہادر شیر ہے تو نے خود کو کمزور سمجھ لیا خود کو گیدر سمجھ کر اپنی رہ چھوڑ بیٹھا ہے تجھ میں بڑے قیمتی جواہر ہیں خود کو آلودہ نہ کر ترقی کی طرف اپنا سفر گامزن رکھتا کہ بیہودگی کی موت سے بچ جائے۔

میں ان اشعار کی شرح میں نہیں جاؤں گا کیونکہ بات بہت طویل ہو جائے گی مجھے اپنے محدود ظرف کا بھی خیال رکھنا ہے اور قارئین تک ان خوبصورت نگینوں کو پہنچانا بھی ہے۔آگے چلتے ہوئے انسان سے کہتے ہیں۔

ظالم جاہل جے نہ ہوندوں نہ پوندوں وچکارے
ایہہ ہے مدح مذمت ناہیں اس وچ ناز اشارے

(46)

دیکھیئے کس خوبصورتی کیساتھ انسان کواُس کو اُسکا عہد اور اُس کی بدعہدی اور پھر اُسکا مقام ومرتبہ بھی یاددلا رہے ہیں اور ساتھ اُسے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ تو تیری مدح ہے مذمت ہرگز نہیں تو اپنے اندر غور وفکر کر تُو خود سے آشنا ہو جائے گا فرماتے ہیں۔

توں شیشے وچ دریا وگیں جوہر ہیں اوہ کاری
جیں وچ کل مطلوب جگت دیاں نوری لہراں جاری

(47)

اے انسان! مختلف انبیاء کے صحیفوں کے ذریعے اور پھر آخری کتاب قرآن حکیم کے ذریعے اللہ

تعالیٰ نے تجھ تک ساری ہدایت پہنچا دی ہے لیکن اگر اب بھی تو اس پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس میں تیری بینائی کی کمزوری ہے اور تیری اپنی غلطی ہے۔ مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

جے تُہ خطا نظر وچ دسے ضعف تیری بینائی
آپ گمراہ پوے نابینا راہے عیب نہ کائی

(48)

اے انسان اگر تجھ پر کوئی عام بندہ احسان کرتا ہے تو تُو دل سے سو بار اُس کیلئے جھکتا ہے لیکن اُس مالک کائنات اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات تجھ پر ہیں تُو اُس کا ساتھ کبھی نہ چھوڑ جس طرح کے تو اقرار کر کے یہاں آیا ہے اور اگر تُو اپنے اقرار سے انکاری ہو گا تو یہ تیرے لئے بہت بڑی ذلت کا باعث ہو گا۔

تُہ احسان کرے کوئی ذرہ دِلوں جھکیں سو واری
کُل احسان تیرے سِر جس دا چھوڑ نہیں تِس یاری
لا یاری پر پوری ساری جیوں ہویوں اقراری
جے اقراروں ہیں انکاری ہے ایہہ انت خواری

(49)

آگے چل کر آپ نے جو نعت لکھی ہے اُس میں اُمت کیلئے مرحومہ کا لفظ استعمال کیا ہے جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے مولوی صاحب سے پہلے اُمت کیلئے کسی شاعر نے مرحومہ کا لفظ استعمال نہیں کیا البتہ اُن کے بعد علامہ اقبال نے اُمت کیلئے مرحومہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ نعت کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے۔ مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

جوہر عرض وجود خلائق اصل اصول کمالی
اُمت خیر اُمم دا والی نام محمد عالی

(50)

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں۔

تے اُوہ اُمت مُذنب کارن مجلی رحم غفوری
تے مرحومہ اُمت اُسدی غر محجل نوری

(51)

ترجمہ: تو وہ گنہگار اُمت کے لئے رحمت غفوری کا مجلّا ہے اور اُس کی رحم کی گئی اُمت کے ماتھے پر نورانی محراب ہوگا۔

احسن القصص میں یوں تو جگہ جگہ عشق و معرفت، الٰہیات اور دیگر بہت سے علوم و معارف دیئے گئے ہیں۔ جس کی تفصیل کیلئے مختلف علوم کے ماہر حضرات کی ضرورت ہے تا کہ ہر ہر موضوع کی الگ سے شرح ہو اور ان پر قابل قدر حواشی لکھے جائیں۔ یہاں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے ''ترغیب دل بالتزام مشہد عشق و بیانِ بلند پروازی اودر عالم رضا کہ فوق مراتب است'' کے عنوان سے ایک انتہائی بلند ترین مضمون باندھا ہے۔ جس پر عمل کر کے انسان عشق کے بلندترین مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جہاں اُسے دنیاوی خواہشات ولذات بے معنی اور حقیر نظر آتی ہیں۔

عشق بناں دل مُردا غافل کس گنتی وچ آوے
عشق دلاں نوں صقل غماں تھیں کر شمشیر دکھاوے
جھل اوّلے راہ چلیندیاں عشقوں ضرباں کاری
ہو طالب لاہ دیکھ نقابوں اُس دی رمز پیاری
جھال جھلے تلوار برہوں دی قدم نہ موڑ ہٹاوے
تیغ وگے پر پیر اگاہیں زخموں خبر نہ پاوے
عشق چنگا پر اوکھے پینڈے مرد ہووے دکھ جھلے
واٹ چلے دکھ پاون ویلے چپ رہے دم ٹھلے
مردا ڈر دا نس نہ جائیں دیکھ چمک دیاں تیغاں
نسے جاندے خود پچھتاندے مردے نال دریغاں

(52)

احسن القصص کی سچائی کے بارے میں بڑی ذمے داری سے فرماتے ہیں۔

اصل بیانوں وچ سخن دے میں نہ گل رلائی
سورت یوسف دی تفسیروں سچی گل سُنائی
اس وچ مطلب خاص قرآنوں سورت یوسف والی
سبھ تفسیر حدیث نبیوں کہے امام غزالی
(53)

اور پھر قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

مت کجھ کریں تعجب قاری دیکھ عجائب حالے
تے مت آکھیں آپ بناون شعر بناون والے
اس وچ مطلب خاص قرآنوں سورت یوسف والی
سبھ تفسیر حدیث نبیوں کہے امام غزالی
دل وچ شک دھریں مت اس تھیں پوے نہ دین تباہی
اس دیاں حق بیاناں اُتے خاص قرآن گواہی
وچ قرآن خدا ایہہ قصہ احسن کر فرمایا
جیں خود آپ سراہے خالق رلے نہ جھوٹھ رلایا
احسن تھیں کی ہور بناوے جے کوئی جھوٹھ رلاوے
ایتھے احسن اکذب ہو کے عیب سخن نوں لاوے
جے کا جھوٹھ کرے وچ داخل راہ چلے گمراہی
اس دے جیڈ تباہی والا کیڈک ہور گناہی
خام روایت میں وچ اس دے داخل کراں نہ مولے
ہووے خطا سوارن صالح صاحب عجز قبولے
(54)

احسن القصص میں ''در ذکر سبب تالیف ایں کتاب المسمیٰ بہ احسن القصص'' کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں۔

میں پروردہ عشق سخن دا جاں غفلت وچ آیا
مدت وچ حجاب غماں دے میرا وقت وہایا
ڈونگھے زخم جگر وچ رڑکے ہو ہو انت پُرانے
چاء ہتھ تیغ جفا کش برہوں ڈٹھا کھڑا سرہانے
دریاواں دیاں لہراں وانگوں نین کھلے پرنالے
ڈب ڈب گئے غماں دے بیڑے بھرے مصیبت والے
غرق گئے دی غفلت خوابے آب سروں وِہ چلیا
جاگ پیارے کیڈک سُتوں عشق سُینہا گھلیا
تپدیاں اکھیں جگر تڑفدا اُٹھیا اُبھڑ وایا
دل تھیں نور چمکدا پایا یوسف نظری آیا
ہوش سمھال قلم چاء ہتھیں قصدوں واگ چلائی
آتش دل دی چاہڑھ الفبے ورقاں وچ وگائی
قصد میرے نوں پورا گرسی پورا کرنے ہارا
مدد منگاں میں اللہ کولوں جیں در باہجھ نہ چارا
نظم لڑی وچ لغت پنجابی موتی عشق پروواں
دن کائی وچ بہر برہوں دے داغ دلے دا دھوواں

(55)

ترجمہ: میں سخن کے عشق کا پالا ہوا جب غفلت میں آ گیا تو میرا ایک مدت تک غم کے حجابات میں وقت گزرا۔ میرے گہرے زخم میرے جگر میں سوزش پیدا کرتے رہے اور یہ زخم بہت پرانے ہو گئے تھے۔ ہاتھ میں تلوار پکڑے ہجر کی سختی برداشت کرنے والے کو میں نے اپنے سرہانے کھڑا دیکھا تو

دریاؤں کی لہروں کی طرح میری آنکھوں سے پرنالے کی طرح آنسو بہہ نکلے اور غموں کے جہاز ڈوب گئے جو مصیبتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں غفلت کی نیند سویا ہوا تھا یوں لگا کہ سر سے پانی گزرنے لگا ہے تو تب مجھے عشق نے یہ پیغام بھیجا کہ اے پیارے تو جاگ کیوں سو رہا ہے۔ آنکھیں جل رہی تھیں' جگر تڑپ رہا تھا اور میں ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور کیا دیکھتا ہوں کہ دل میں نور چمک رہا ہے اور سامنے یوسف نظر آ رہا ہے۔ میں نے ہوش سنبھال کر قلم پکڑا اور ارادتاً سفر کو شروع کر دیا اور اپنے دل کی آگ شعلوں میں بدل کر کاغذ پر منتقل کر دی۔ میرے ارادے کو پورا کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہر صورت پورا کریگا میں اُسی خدا سے مدد مانگتا ہوں جس کے دربار کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں نظم کی صورت میں پنجابی زبان میں عشق کے موتی پرونے لگا۔ کچھ دن ہجر کے سمندر میں دل کے داغ کو دھولوں۔

پند و نصیحت کا فریضہ آپ جہاں موقع ملتا ہے انجام دیتے ہیں۔ آپ نے طب' نجوم' موسیقی' علم فلکیات' معرفت' الٰہیات' تصوف اور دیگر علوم پر بھرپور انداز میں بات کی ہے۔ آپ کے اشعار میں ایک روانی' ردم اور موسیقی ہے اور یہ چیز شعر کی خوبی کو قائم رکھتی ہے۔

مولوی صاحب کے کلام میں آج تک نقادوں کو ایک کے علاوہ دوسرا اعتراض نہیں ملا کہ شاعر کے کلام میں عربی اور فارسی الفاظ بہت ہیں۔ یہ اعتراض بھی مولوی صاحب پر سکھ حضرات نے کیا ہے۔ حالانکہ خود ہندو اور سکھ شاعروں کے کلام میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کافی ہوتے ہیں تو پھر مولوی غلام رسول پر یہ اعتراض بھی اچھا نہیں لگتا کیونکہ وہ ایک مسلمان صوفی شاعر اور عالم تھے۔ کتاب یوسف زلیخا لکھنے کے وقت سارا مواد ہی عربی اور فارسی کی کتابوں سے لیا گیا تھا۔ (56)

اس لئے ان کے کلام میں عربی اور فارسی کا اثر ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ مولوی صاحب نے پنجابی زبان کی جھولی عربی اور فارسی کے خوبصورت الفاظ سے بھر دی ہے اور اس کو عرب اور عجم کے استادوں کے برابر کر دیا ہے۔ ایک مسلمان عالم شاعر کا اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہو سکتا ہے۔ سکھ یا ہندو لکھاریوں کو مولوی صاحب پر کچھ لکھنے کی بہت کم توفیق ہوئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب کی دو ہی کتابیں زیادہ مشہور ہیں ''یوسف زلیخا'' اور ''داستان امیر حمزہ'' دونوں ہندوؤں اور سکھوں کے مذہبی عقیدے سے متصادم ہیں۔ یوسف زلیخا تو خالص مسلمانوں کا مذہبی قصہ ہے جس میں

مولوی صاحب نے اس قصے کے رنگ میں توحید بیان کی ہے۔ داستان امیر حمزہ بھی ایک مذہبی ناول ہے۔ جیسے فردوسی نے ایرانیوں کو اوپر اٹھایا اور عربوں کو نیچے پھینکا ہے۔ اس کے مقابلے میں مولوی غلام رسول عالمپوری نے عرب مسلمانوں کو بہادر، نڈر، بیباک، غیور اور با اصول قوم ظاہر کیا ہے۔ اس لئے غیر مسلم شاعر اور نقاد مولوی صاحب کی ''نندیا'' کرنے کے سوا اور کیا لکھ سکتے تھے۔ باوا بدھ سنگھ مصنف پریم کہانی نے اپنی کتاب میں بعض غیر معروف شاعروں کا تو ذکر کیا ہے پر مجال ہے کہ نندیا کی ایک سطر کے سوا مولوی صاحب کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔ بقول محمد عالم کپور تھلوی حقیقت یہ ہے کہ مولوی غلام رسولؒ ناپسندیدگی اور تعریف کے مقام سے بہت ہی اونچے ہیں۔ وہ عشق کے جس مینار پر کھڑے ہیں وہاں پسند اور ناپسند بہت نیچے رہ جاتے ہیں۔ ایک اسی سالہ بزرگ شاعر جس کے مطالعہ کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہے جس کا پنجابی' اردو' فارسی' عربی اور ہندی شاعری کا گہرا مطالعہ ہے اور خود بھی کئی زبانوں میں ہزاروں اشعار کہے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقی و مغربی علوم کی بے شمار کتابیں پڑھیں ہیں اور خود بھی مصنف ہے۔ ایک دن ایک تقریب میں اُس کی زبان سے یہ لفظ نکلے ''اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ عقیدت' سجدہ تعظیم یا سجدہ عشق کی اجازت ہوتی تو میں مولوی غلام رسول اور وارث شاہ کی قبر کو سجدہ کرتا۔'' (57)

موجودہ پاکستان میں اگر آپ کو مولوی صاحبؒ سے شناسائی یا اُن کے کلام کی مقبولیت دیگر شعراء سے ذرا کم نظر آتی ہے تو اس کی مختلف وجوہات ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ احسن القصص چونکہ ایک قرآنی قصہ ہے اس لئے غیر مسلم حضرات نے آپ کے کلام اور شخصیت پر اُتنا کام نہیں کیا جتنا پنجابی زبان کے دوسرے شعراء حضرات پر ہوا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دیگر صوفی شعراء کے مزارات پاکستان میں ہیں اور اُن مزارات کی وجہ سے گدی نشینی کا سلسلہ بھی جاری ہے جبکہ اُن کے کلام کو عوام تک پہنچانے کا ذریعہ مریدین بھی بنے لیکن اُس کے برعکس مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا مزار انڈیا میں ہے اور 1947ء کے بعد وہاں سے تمام مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آ چکے ہیں لہٰذا اس وجہ سے آپؒ پر وہ کام نہ ہو سکا جس کی ضرورت تھی لیکن اس کے باوجود مولوی صاحبؒ کے کلام میں ایک زور' روانی' سوز و گداز' تڑپ' درد' سچائی اور حقیقت ہے کہ وہ کسی کی تعریف کے محتاج نہیں ہیں وہ اس کے بغیر بھی

آفتاب سخن ہیں۔آپ کا کلام ہی آپ کی نمائندگی کر رہا ہے اور آپ کے ایک شعر کے مطابق آپ کی پیشن گوئی سچ ثابت ہو رہی ہے۔

ایہہ مرداں دے نام دی جگ وچ رہسی ہول
خلق پکارا پاوسی کدی غلام رسول

(58)

ترجمہ: مردوں کے نام کی دنیا میں یہ نشانی رہے گی اور کبھی غلام رسول کا عوام میں بول بالا ہوگا۔

اب بعض غیر مسلم شخصیات نے ایک انسانی جذبے کے تحت اور پنجابی زبان وادب کے حوالے سے کچھ کام بھی کیا ہے۔گو کہ اُس کی مقدار اور معیار کم ہے چونکہ دنیا اب ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ لوگوں میں شعور اور آگاہی آ رہی ہے لہٰذا غیر مسلم حضرات خصوصاً سکھ اور ہندو حضرات بھی مولوی صاحب کے کلام کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔لینگوئج اینڈ لٹریچر پنجاب انڈیا کی ڈائریکٹر محترمہ بلبیر کور اور ڈپٹی ڈائریکٹر چیتن سنگھ صاحب مولوی صاحبؒ کی کتب کے گرمکھی زبان میں تراجم کر کے شائع کر رہے ہیں۔ اسی طرح اوم پرکاش کھیم کرنی صاحب اور اُن کی تنظیم "بزم ادب جالندھر" کے ساتھی ہندی زبان میں مولوی صاحبؒ کی کتب کے تراجم شروع کر چکے ہیں اور مشرقی پنجاب کی ایک اہم تنظیم "ساہت سبھاد سوہہ گڑھ دیوالہ" کے صدر بلدیو سنگھ بلی، جرنیل سنگھ گھمن، ماسٹر لال سنگھ، نوتیج سنگھ نے بھی مولوی صاحبؒ کی کتب پر تحقیق شروع کر دی ہے اور مولوی صاحبؒ کے مزار پر تقریبات کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔اسی سلسلے میں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور انڈیا سے تجبیر سنگھ باجوہ ایڈووکیٹ اپنے دوست اوم پرکاش کھیم کرنی اور دیگر ساتھیوں سے مل کر مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے نام پر ایک تنظیم قائم کر چکے ہیں۔اس طرح وہاں کی باشعور اور کھلے ذہن رکھنے والی شخصیات میں ایک تحریک پیدا ہوئی ہے۔

"مولوی غلام رسول عالمپوریؒ ایک درویش شاعر تھے اس لئے وہ اپنے دور کے حالات سے متاثر ہوئے بناء کیسے رہ سکتے تھے۔اُنہوں نے اپنی گھریلو ضروریات کیلئے بطور سکول اُستاد کے بھی خدمات انجام دیں۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دینی اور دنیاوی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔اُن کی عوامی خدمات کا یہ حال تھا کہ اپنے گاؤں کے رہنے والوں کے سماجی، مذہبی، معاشی اور ہر طرح کے مسائل کو

سلجھانے کے لئے اپنا فرض نبھاتے تھے۔ وہ اپنے لوگوں کی جسمانی بیماریوں کا علاج بھی کرتے تھے اس کے ساتھ ساتھ اُن کا ادبی کام بھی کبھی مدھم نہیں ہوتا تھا۔ اُن کی ادبی اور ثقافتی تخلیقات بے شک کسی معاشی ضرورت کیلئے نہیں لکھی گئیں کیونکہ اُس وقت پنجابی میں کتاب لکھنا کسی ایسے فائدہ کا ذریعہ ہی نہیں تھا کیونکہ سرکاری اور درباری جگہوں پر انگریزی اور اُردو کا بول بالا ہونیکی وجہ سے پنجابی اور پنجابی لکھاریوں کی کوئی قدر نہیں تھی پھر بھی ایسے وقت مولوی صاحبؒ کا پنجابی میں لکھنا جہاں پنجابی ادب اور زبان کی خدمت تھا وہاں اُن لوگوں کی خدمت بھی تھی جنہیں دل لبھانے کے اور ذریعے موجود نہیں تھے۔ مولوی صاحبؒ کی تصنیفات اُن کی اس کمی کو بھی پورا کرتی تھیں دوسری بات اُن کی تصانیف دینی ہونے کی وجہ سے اسلام کی خدمت بھی تھی۔ ظاہراً غلام رسول صاحبؒ ایک مولوی تھے لیکن اُن کی تصانیف میں اس طرح کی کوئی بھی بات نہیں ملتی جو غیر مسلموں کے لئے دل آزاری کا باعث ہو۔ وہ سب کے مشترکہ ساتھی تھے جو سیاسی اور معاشی ضروریات کیساتھ بہت خلوص کیساتھ منسلک ہو کر اپنی دینی، دنیاوی اور ادبی فرائض کو نبھاتے ہوئے اپنی زندگی کا سفر پورا کر گئے۔'' (59)

آپ کو الفاظ کے چناؤ میں کمال حاصل ہے احسن القصص ایک قرآنی قصہ تو ہے ہی لیکن اس ایک قصے میں سے بہت سے واقعات ملتے ہیں اگر ہم اُن کا مختصراً جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ شروع میں یوسف کے سوتیلے بھائی اُن سے بدسلوکی کرتے ہیں اور اُن کو ایک کنویں میں پھینک دیتے ہیں اس سے قبل جب یوسف باپ کے پاس تھے تو اُنہوں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو خیال گزرا کہ میں اتنا حسین ہوں کہ کوئی شخص میری قیمت ادا نہیں کر سکتا لیکن پھر تقدیر الٰہی کہ اُنہیں چند کھوٹے سکوں کے عوض بکنا پڑا اور جب کروان اُنہیں لیکر روانہ ہوئے تو پہلی ہی بستی میں جہاں قیام ہوا وہاں لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے یوسف کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے اور جب یہ قافلہ وہاں سے آگے روانہ ہوا تو یوسف کے دل میں پھر یہ خیال گزرا کہ اگلی بستی میں یا اگلے شہر میں پھر لوگوں کا ہجوم ہوگا لیکن جب وہاں پہنچتے ہیں تو ایک شخص بھی دیدار کیلئے نہیں آیا تو فوراً اپنے اُس خیال پر نادم ہوتے ہیں سجدہ ریز ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں دعا قبول ہوتی ہے تو لوگ بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں دیدار یوسف کرتے ہیں انسان کو کسی صورت بھی اپنے انداز، طرز عمل میں غرور نہیں کرنا چاہئے ہمیشہ عاجزی اور انکساری اختیار کرنی چاہئے جب بازغہ

نامی خاتون آتی ہے وہاں جو سوال و جواب کا سلسلہ ہے وہاں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ قاری کو انتہائی اعلیٰ درجے کا توحید کا درس دیتے ہیں اور بالآخر باز غہ مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو جاتی ہے۔ آخر کار زلیخا آپؑ کو خرید لیتی ہے۔ زلیخا کے مکروفریب کیوجہ سے آپؑ کو زندان میں جانا پڑتا ہے اور جس طرح سے آپ کی رہائی ہوتی ہے وہ ایک الگ قصہ ہے۔ آپ عزیز مصر بن جاتے ہیں تو وہاں مولوی صاحبؒ نے یوسفؑ کے حکومتی طرز عمل کی جس طرح ترجمانی کی ہے اور اُس سے پہلے مصر کی جو حالت تھی اُسکا تذکرہ کیا ہے یہاں مولوی صاحبؒ واضح طور پر انقلاب یوسفی کی بات کرر ہے ہیں۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ ہندوستان میں بیٹھ کر جہاں انگریزوں کی حکومت ہے۔ بہت سے مسلم اور غیر مسلم خوشامدی لوگ اور بہت سے گدی نشین انگریزوں کی خوشامد کر کے جاگیریں حاصل کرر ہے ہیں اور عوام کی ترجمانی نہیں کرر ہے وہاں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اپنی شاعری کے ذریعے انقلاب یوسفی کی بات کرر ہے ہیں، معاشی انقلاب کی بات کرر ہے ہیں جو کہ حضرت یوسفؑ نے اُس ظالمانہ نظام کو ختم کر کے نافذ کیا۔ اچھے حکمران کے خصائل وفضائل بیان کرر ہے ہیں، اچھی حکمرانی کا طریقہ کار بتار ہے ہیں، ملک کا نظم و نسق کس طرح چلانا چاہیے اُسکی نشاندہی کرر ہے ہیں، عدل و انصاف کی بات کرر ہے ہیں اگر مولوی صاحب کے صرف اس پہلو کا جائزہ انبیاء کے انقلابات کی روشنی اور خالص قرآن کی روشنی میں کریں تو یہ ایک بڑی جامع کتاب بن سکتی ہے۔

ایک نادر نمونہ میرے سامنے آرہا ہے اُس کو یہاں نقل کئے بغیر آگے بڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نین میرے دو پانی بھر دے عشق تیرے دے بَردے
کھڑے دونویں ہتھ پکھا جھل دے جدوں سیاپے کر دے
غم دکھ دو فراش بندی دے بستر سُولاں دھر دے
شوق طلب دو پہرے والے راکھے میرے در دے
من پرچاون گیت سناون آہیں وقت سحر دے
درد میرا دل پاڑن سیون درزی میرے گھر دے

(60)

ترجمہ: تیرے عشق کی وجہ سے میری دونوں آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے جو کہ تیری غلام ہیں اور میرے دونوں ہاتھ تیرے غم میں ماتم کرتے ہیں تیرا غم اور دکھ میرا بچھونا ہیں جو کہ میرے بستر پر کانٹوں کی طرح ہیں اور میں تیرے شوق اور طلب میں جاگتی رہتی ہوں اور اس طرح یہ دونوں میرے پہرے دار ہیں جو میرے دروازے کی رکھوالی کرتے ہیں یہ میرے دل کو لبھانے کا سامان ہیں جو وقت سحر مجھے گیت سناتے ہیں اور تیرے درد سے میرا دل پارہ پارہ ہے یہ تیرے سارے دکھ میرے غلام ہی تو ہیں۔

سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے جس ماحول میں اس سرزمین پر آنکھ کھولی وہ سماجی اور سیاسی اعتبار کے لحاظ سے مسلمانوں کی بے بسی اور مذہبی اعتبار کے حوالے سے زوال افراتفری، انتشار پسندی اور نفسا نفسی کا وقت تھا۔ ذاتی فوائد کو ملک یا قوم کے فوائد سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ ہر کوئی اپنے حال میں مست تھا۔ مولوی صاحب کی زندگی کا سارا وقت انگریزوں کی حکمرانی کا دور تھا۔ اس لئے اُنہوں نے مسلمانوں کو مظلوموں کی صورت میں ہی دیکھا تھا۔ کیسے ہلکا پھلکا سا اشارہ کرتے ہیں۔

جاں تے جمی میں وچ دنیا سکھ نہ ڈٹھیاں گھڑیاں
درد رکھاں پر چڑھدے آئے غماں وسائیاں جھڑیاں

(61)

ترجمہ: جب سے میں دنیا میں پیدا ہوئی ہوں میں نے سکھ اور آرام کے چند لمحے بھی نہیں دیکھے میرے دکھ درد درختوں پر چڑھ آئے ہیں اور غم کیوجہ سے آنسوؤں کی برسات لگی ہے۔

مسلمانوں کی پستی یوں اتفاق ہی نہیں تھی بلکہ اس کا ایک لمبا چوڑا ماضی تھا۔ اس مالی بدحالی کے وقت اخلاقی اقدار بھی قائم نہ رہیں۔ ردعمل کے طور پر لوگ زیادہ تر بے عمل ہو گئے۔ زیادہ لوگوں نے عیش وعشرت، شراب، راگ رنگ اور ناچ گانے وغیرہ میں اپنے آپ کو گم کر کے زندگی کی تلخیوں کو بھلانا چاہا۔ مسلمان کی حالت ہر جگہ دردناک تھی۔ مولوی صاحبؒ نے اس دور کو خزاں کا وقت قرار دیا ہے۔

موسم گیا بہار دا خزاں آئی گئی گُلاں دے توڑ نظاریاں نوں
سنبھل وقت وھاندڑے جاندڑے نوں رہنا ملے نہ پیر پیاریاں نوں
ساڈے تان توان مغلوب کیتے شیراں گھیریا جیویں چکاریاں نوں

(62)

ترجمہ: بہار کا موسم گزر چکا ہے اور خزاں آ گئی ہے تو پھولوں کے نظارے ختم ہو گئے ہیں یہ وقت جو گزر رہا ہے اس کو سنبھال لے یہاں کسی کو بھی ہمیشہ نہیں رہنا۔ ہمارے تان توان مغلوب کر دیئے ہیں

جس طرح شیروں نے ہرنوں کو گھیرا ہوا ہو۔

یہاں یہ بات کہنی بہت ضروری ہے کہ مولوی صاحبؒ نے اپنے انداز سے معاشرے کی سماجی، سیاسی اور مذہبی حالت کی طرف اشارے کیے ہیں کیونکہ اُس وقت کُھلم کُھلا کوئی قدم اٹھانا آسان نہیں تھا بھید میں بول کر عقل مندوں کو غور کرنے کی دعوت دینی پڑتی تھی۔ لوگوں کی طبیعت قصے کہانیاں سننے کی شوقین تھی۔ مولوی صاحبؒ نے اس رجحان سے فائدہ اٹھایا۔ داستان امیر حمزہؓ، احسن القصص اور چٹھیوں میں حسن، عشق، محبت اور پیار کی باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اصلاح کا فرض بھی ادا کیا۔ اب مسلمان پوری طرح اس حقیقت سے واقف تھے کہ ہندوستان میں اُن کا اقتدار انگریزوں نے ختم کر دیا ہے اور اُن کا کوئی بھی ہمدرد نہیں۔ بقول مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔

تے غمخوار نہ واہرو کائی حاکم ظالم آیا

(63)

مسلمانوں کی حالت ہر لحاظ سے انتہائی پستی کو پہنچ گئی تھی اور گھٹیا قسم کے کام کرنے کے لئے مسلمانوں کو مجبور کیا جاتا تھا اور اچھے عہدے صرف انگریزوں کو دیئے جاتے تھے۔ لارڈ ڈلہوزی کے دور (1848ء۔1856ء) ریاستوں کی اپنی فوجیں برطرف کردی گئیں جس کی وجہ سے سینکڑوں زمیندار اور ہزاروں سپاہی بے روزگار ہو گئے۔ ہندوستانیوں کو بڑے عہدوں سے فارغ کر دیا گیا اور اُن کی صنعت و حرفت اور تجارت بھی روز بروز کم ہوتی گئی مگر پھر بھی مسلمانوں نے عیش پرستی نہ چھوڑی۔ وہ فضول رسوم ادا کر کے اُجڑتے رہتے تھے۔ (64)

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی زبانی سنیں۔

نعمت کھادی شکر نہ کیتا آئیاں پیش کمائیاں
وچ ویاہاں جنے کھنے نے کنجریاں نچوائیاں
تے نوہاں دے ورنیاں ویلے جتاں بوتاں رائیاں
سُودنیاں دیاں نوکاں اُتے اشرفیاں جڑوائیاں

تے جموں دیاں فوجاں وانگوں جنجاں جنھ چڑھایاں
کجھ ڈوماں کجھ بھنگیاں لٹے کجھ ربابیاں نائیاں
خود اجڑے کجھ گروم اجاڑے رہڑ گئے وچ وڈیائیاں
اوڑک جاں دن الٹے آئے کھیتیاں گروی پائیاں

(65)

ترجمہ: مولوی صاحبؒ غلام یٰسین کو لکھی گئی چٹھی کے آخر میں سیلاب کی وجہ سے خراب صورتحال کا تذکرہ کرتے ہیں کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھا کر اُس کی نعمت کا شکر ادا نہ کیا اور شادی بیاہ کے فضول رسم ورواج میں الجھ کے رہ گئے اور اپنی بڑائی کی خاطر بے جا دولت کا استعمال کیا اور اس وجہ سے اپنی کھیتی باڑی کو گروی رکھ کر ان فضول رسم ورواج کی خاطر قرضے بھی لئے جس وجہ سے یہ خود بھی اُجڑ گئے اور اپنے عزیز واقارب کو بھی مفلوک الحال کر دیا۔

مختصر یہ کہ ہندوستان کی زندگی، معاشرت، سوچ اور عمل کے ہر شعبے میں بے شک ابھی قدامت اور روایت کا گہرا اثر تھا مگر تقلید سے پیچھا چُھڑانے کی کوشش بھی برابر جاری تھی اور مغربی اثر بھی آہستہ آہستہ اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ پرانی زندگی اور پرانے سماج کا انداز بھی آہستہ آہستہ بدل رہا تھا۔ پرانے اور نئے میں جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ ہندوستان ابھی نئے رنگ میں نہیں آیا تھا مگر اس کی طرف گامزن ہو چکا تھا مگر قدیم، جدید کے مقابلے میں ہار گیا۔ مسلمانوں کو یہ احساس اچھی طرح تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے داخلے کے لئے اُس وقت کے شہنشاہ نے اجازت دے کر غلطی کی تھی۔ انگریزوں کو یہ احساس تھا کہ مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ انگریز یہاں مہمان کی حیثیت سے آئے تھے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اس حال کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں۔

قدر نہ دیکھے اپنا ہے کی چیز بلا
مولی کیہڑے باغ دی بہے برابر آ
پہلے اس نوں بادشاہ جے نہ کرے بلند
گدڑ نوں گھر شیر دا ناہیں مول پسند

کاٹو سنہری آہلنے وڈھ کرے مت دیہہ
ککڑ تخت بہا لیا انت کھلارے کھیہ
(66)

پھر کہتے ہیں۔

اس نوں دینی سروری سی کد لائق گل
کی ہویا جے ہو گیا چھجاں دا بھڑل
ناگ بکل وچہ پالیا شاہنشہ نے آپ
پا استین سلا لیا زہروں بھریا سانپ
بھگیاڑاں نوں پالنا چنگا کدے نہو
بلی نوں ٹک پائیکے ککڑ تھیں ہتھ دھو
(67)

مولوی صاحب اور بھی واضح اشارہ کرتے ہیں کہ اگر یہاں کے عوام کو اپنا ملک پیارا ہے تو پھر انگریزوں کو یہاں سے جلدی نکالنا بہت ضروری ہے۔

پس جے ہے ہن بھانوندا تینوں اپنا راج
جھبدے ایس بلائیدا کر لے کجھ علاج
نہیں تے کائی روز نوں کرسی دیس فناہ
اس دے ہتھوں ہوسی تیرا ملک تباہ
(68)

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ 1857ء کی آزادی کی جنگ صرف بغاوت کی حد تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کی آگ جگہ جگہ روشن ہو چکی تھی اور اس جنگ میں مسلمان، ہندو اور سکھ تینوں شامل تھے مگر انگریزوں نے اس آزادی کی جنگ کو سرکشی اور بغاوت کا نام دے کر ہر جگہ لوٹ مار، قتل، کالے پانی کی سزائیں، پھانسی کیلئے درختوں پر لٹکانا، سولی پر چڑھانا، زندہ کو جلا دینا، توپ کے ساتھ باندھ کر اڑا دینا اور گاؤں کے گاؤں جلا دینا جیسے عذاب دیئے جاتے تھے۔(69)

مولوی صاحبؒ یوں اشارہ کرتے ہیں۔

راہیں لٹ دا خلق نوں کردا قتل گیا
دیس تمامی ظلم تھیں سی ویران پیا

(70)

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی زندگی کا سارا وقت دنیا میں سخت کھینچا تانی کا دور تھا۔ مشرق اور مغرب، مذہب و سائنس، قدیم و جدید، شہنشاہیت و جمہوریت، جاگیرداری اور سرمایہ داری، سرمایہ اور محنت غرض ہر چیز ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ پائی کر رہی تھی۔ مذہب اور اخلاق خاص طور پر خطرے میں تھے۔ یہ تصور عام ہو گیا تھا کہ اگر مذہب اور اخلاق سے مادی فائدہ نہیں ہوتا تو پھر وہ بیکار ہیں یہ خیالات جب ہندوستان آ گئے تو یہاں کی بھی معاشرتی زندگی بہت متاثر ہوئی۔ زندگی صرف تن آسانی کا نام رہ گیا تھا بعض مسلمان نشے میں رہ کر دنیا سے بے خبر تھے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے کلام میں ایسی حالت کا اشارہ اس طرح ملتا ہے۔

بعضے تاڑی چاہڑ کے تاڑی مار گئے
بعضے صرف نبیذ تے وقت گزار گئے
بعضے کونڈا بھنگ دا گھوٹ اتار گئے
قاضی ریش کھلار کے پھوک ننار گئے
بعضے پی پی کوکنار اکت کنار گئے
تے بعضے افیون تھیں ہوشوں پار گئے

(71)

مسلمانوں کے سماجی اور سیاسی تنزل کے ساتھ ساتھ عسائیت کا سیاسی عروج بڑھتا گیا۔ یورپ اور امریکہ کے پادریوں نے عیسائی مذہب کو ساری دنیا میں پھیلانا ضروری سمجھا اور اپنے مدمقابل مذہب اسلام پر گھٹیا سے گھٹیا اعتراض کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ عیسائی پادریوں نے اسلام کیخلاف جو جنگیں شروع کیں وہ پرانی صلیبی جنگوں کی طرح تلوار کی نہیں تھیں بلکہ قلم کی تھیں۔ قلم تو تلوار سے زیادہ

طاقت رکھتی ہے جیسے۔مولوی صاحبؒ کے بقول

وگی قلم دے زخم نہ کدی مٹ دے بڑا قلم تھیں ہور ہتھیار ناہیں

(72)

یہ کچھ ایسے حالات تھے جس کی وجہ سے کچھ سمجھدار، پڑھے لکھے مسلمان لیڈر بھی یہ سوچنے لگ پڑے تھے کہ دنیا کا آئندہ مذہب عیسائیت ہوگا۔اسلام کیخلاف عیسائیوں کے اس پروپیگنڈے اور تبلیغ کی رفتار کوسیاسی اقتدار نے بہت فائدہ پہنچایا۔اُن کی حکومت ساری دنیا میں پھیل رہی تھی اور اُن کا یہ پراپیگنڈہ بھی پھیلا۔عیسائی مشنری نہ صرف مدرسوں، ہسپتالوں اور یتیم خانوں میں تبلیغ کرتے تھے بلکہ سڑکوں اور چوراہوں میں کھڑے ہوکر لیکچر دیتے، کتابچے تقسیم کرتے اور لوگوں کو مناظرے کی دعوت دیتے تھے۔اس لئے ضروری تھا کہ جو ہتھیار یہ لوگ استعمال کررہے تھے اُن کے ساتھ ہی اُن کا مقابلہ کیا جاتا۔اسلام کی نہایت کمزور حالت اور اس پر دوسرے مذاہب کے شدید حملے ہوتے دیکھ کر بھی مسلمان علماء کی آنکھ نہ کھلی۔اعتراضات کا جواب دینا تو اُن کے بس کا روگ نہیں تھا۔وہ آپس میں ہی لڑتے رہتے تھے گویا عالم غلط راستے پر گامزن تھے۔اخلاق کو بھلا بیٹھے اور اقتدار کو گنوا بیٹھے تھے۔مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے بھی مذہبی افراد کی اس ذہنیت کی طرف اپنے قاری کو سوچ میں ڈال کر اپنے انداز میں اشارہ کیا ہے کہتے ہیں۔

الٹیاں سمجھاں والیا نہ کر الٹی گل
کس پنڈت نے دسیا گل کرن دا ول

(73)

غرض معاشرے کی سماجی، سیاسی اور مذہبی اصلاح کرنے کیلئے شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، سید احمد بریلوی، سرسید احمد خان، مولانا شبلی، مولانا حالی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اور دیگر بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں اپنی اپنی دلچسپی کے مطابق کوششیں کیں۔ یہ ساری کوششیں عیسائیت کے غلبے کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو ہر لحاظ سے اچھا مقام دینے کی خاطر تھیں جس میں یہ سارے بزرگ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔انکی کوششوں کیوجہ سے قوم اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے قابل ہوسکی اور اُنہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آخرکار غیر ملکی حکمران یہاں سے جانے پر مجبور ہوگئے (74)

داستان امیر حمزہ کی خصوصیت

’’داستان امیر حمزہ‘‘ مولوی صاحب کی پہلی تصنیف ہے۔ جو آپ نے پندرہ سال کی عمر میں لکھی۔ قصے کہانیاں سننے سنانے کا رواج دنیا میں ابتدائے قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ پرانے وقتوں میں قوموں کی ذہنی تربیت کا دل چسپ مشغلہ سال ہا سال تک یہی رہا ہے۔ میرے خیال میں ان سب کو دو اقسام میں اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ وہ مثنویاں جو بزم کی رونق بڑھانے کیلئے لکھی گئیں اور بزمیہ کے نام سے شمار کی گئیں۔ جن میں میدانِ جنگ کے معرکے انسانوں کی باہمی طاقت کی کہانیاں لکھی گئیں وہ رزمیہ بن گئیں۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے جتنا محفل اور جنگ، بزم اور رزم میں ہے۔ جنگی نظموں سے شاعروں نے بڑے بڑے کام لئے ہیں۔ عرب میں بہادروں کی جنگیں ان کی بہترین مثالیں ہیں۔ ایران میں اس صنف نے خاص ترقی کی ہے۔ فردوسی کے ’’شاہنامے‘‘ کے علاوہ بڑے بڑے شاعروں نے تہلکہ مچانے والی بہترین جنگی نظمیں لکھیں ہیں۔ ان کا اثر ہند و پاک میں اردو اور پنجابی شاعری پر بھی پڑا ہے اور اس دوڑ میں جنگی اور محفل کا سنگار مثنویاں لکھی گئیں۔ پنجابی میں چاہے بزمیہ مثنویوں کی تعداد جنگی مثنویوں کی نسبت زیادہ ہے۔ (75)

معروف محقق محمد عالم لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مولوی صاحبؒ کا مقام سب سے اونچا ہے۔ آپ کا شمار پنجاب کے بڑے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے پائے کا شاعر پنجاب میں آج تک پیدا ہی نہیں ہوا لیکن افسوس کہ آپ کی شخصیت کا تعین کرنے میں کوئی کام نہیں ہوا۔ (76)

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بڑے سے بڑا شاعر بھی رزم اور بزم کے دونوں موضوعات پر ایک جیسا حاوی نہیں ہو سکتا۔ فردوسی جنگی شاعری میں بلاشبہ بہت اونچا شاعر ہے مگر محفل کی شاعری میں وہ کوئی مقام حاصل نہیں کر سکا۔ اس کی مثنوی یوسف زلیخا، شاہنامہ کے مصنف کی دماغی تھکاوٹ کی دہائی کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ شیخ سعدی غزل اور اخلاقی شاعری میں اعلیٰ پائے کے شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کسی نے اُن پر اعتراض کیا کہ آپ جنگی نظمیں نہیں لکھ سکتے۔ آپ نے غصے میں آ کے بوستان میں ایک رزمیہ داستان نظم کر دی۔

جس کا ایک شعر ہے۔

نداند که مارا سیر جنگ نیست
وگرنه مجال سخن تنگ نیست

بے شک سعدی نے یہ کہانی بڑے جوش سے لکھی ہے مگر پھر بھی یہ آپ کی دوسری اخلاقی کہانیوں کے مقابلے میں سب سے کمزور کہانی ہے حافظ شیرازی نے تو واضح طور پر اسے تسلیم کیا ہے۔

ماقصهٔ و سکندر و دارا نخوانده ایم
از ما بجز حکایتِ مهرو وفا مپرس

ترجمہ: ہم نے سکندر اور دارا کے قصے نہیں پڑھے ہم سے محبت اور وفا کی حکایت کے سوا اور کچھ نہ پوچھ۔(77)

موضوع کی گھمبیرتا شاعرانہ سلیقہ زبان کی روانی داستان گوئی کے حوالے سے مولوی غلام رسول صاحبؒ کی داستان امیر حمزہ ادبی دنیا کا بہت بڑا شاہکار ہے۔(78)

رزم و بزم کے موضوعات پر ایک جیسا حاوی ہونا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں فارسی، اردو اور پنجابی میں یہ خوبی مولوی صاحب میں ہی پائی جاتی ہے۔ وہ دونوں موضوعات کے استاد تسلیم کیے جاتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ جتنی شہرت آپ کی بزمیہ مثنوی یوسف زلیخا کو حاصل ہوئی ہے اتنی رزمیہ مثنوی جنگ نامہ امیر حمزہ کو حاصل نہیں ہوئی مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کسی دوسری مثنوی سے کم ہے بلکہ اس کا گہرا مطالعہ کرنے سے شاعر کی حیران کن عبقریت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔(79)

''داستان امیر حمزہ'' کا قصہ دراصل فارسی نثر میں ہے جس کو مولوی صاحب نے 1863ء میں فارسی نثر سے پنجابی نظم کے قالب میں ڈھال لیا۔ اس کا رنگ ہی نرالہ ہے آپ کی لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کی حمد کا ایک شعر ہے۔

پاک شروع انجام تھیں دائم اُس دا راج
نہ وچ اپنی کار دے ہوراں دا محتاج

(80)

مولانا غلام رسول عالپوریؒ نے دس بارہ سال کی عمر میں پنجابی زبان میں مشق سخن جاری کر دی۔ اور سی حرفیاں اور بارہ ماہ لکھنا شروع کر دیئے۔ اسی نظام تعلیم کا اثر تھا اور اللہ کی مدد شامل تھی کہ انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں داستان امیر حمزہ ایسی وقیع کتاب کا پہلا حصہ مکمل کیا جو پنجابی شعری روایت میں عظیم کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ دوسری اور تیسری جلد بیس سال کی عمر میں مکمل کر کے دنیائے شعر سے اپنا لوہا منوالیا۔(81)

داستان امیر حمزہ، فردوسی کے شاہنامہ ایران کے جواب میں ایرانی قومیت پرستی کے جواب میں لکھی گئی عظیم داستان ہے جس میں رستم کے مقابلے میں حضور پاک ﷺ کے چچا سید الشہداء جناب حمزہؓ کو ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ فارسی میں سب سے پہلے یہ داستان نثر میں تخلیق کی گئی پھر اسے منظوم بھی کیا گیا۔ پنجابی زبان میں اس موضوع پر سعید علی نقشبندی، امام بخش پسیانوالہ، احمد یار اوجلوی، حکیم محمد عظمت، سید محمد صدیق نے زور قلم دکھایا ہے لیکن مولوی غلام رسول عالپوری صاحبؒ نے اپنے ان بیس ہزار اشعار میں جو کمال دکھایا ہے اس کی وجہ سے داستان امیر حمزہ لکھنے والوں سے وہ کہیں ممتاز ہیں اس داستان میں رزم و بزم کے مسائل کو پنجابی اشعار میں جس انداز میں بیان کیا گیا ہے اس میں کہیں بھی آورد نہیں۔(82)

فارسی قصے کے بارے میں خود لکھتے ہیں۔

کے مورخ فارسی لکھی نثر تمام
حالت عم رسول دی حمزہ جس دا نام
(83)

پھر فرماتے ہیں۔

میں ایہہ قصہ دیکھیا مجلس دا سنگار
دتی ہندی شعر تھیں زینت زیب ہزار
پئی پکار مجالسیں شعر چڑھائے جوش
اس موزوں کلام تھیں پرور ہوئے گوش

ضعیف روایت جے کہو میں سر دھرونکا
اول والے راویاں کیتی ہوگ خطا
عم نبی دی صفت میں جھوٹ نہ جوڑی آپ
اصل موافق نقل ہے میں سر ناہیں پاپ
(84)

اس بارے میں اور لکھتے ہیں۔

جے کجھ نفع ودھیرناں ملے تسانوں بھی
دور کرے دلگیریاں تے پرچاوے جی
مقبولاں دی صفت تھیں دل نوں ملے صفا
منصف دیکھ غریب دے لیسن عیب چھپا
(85)

پوری جنگی مثنوی کی تین جلدیں اور بیس ہزار اشعار ہیں۔ شاعر نے جذبات کے اظہار کیلئے ایک ہلکی پھلکی بحر چنی ہے۔ جو اس موضوع کیلئے بہت مناسب اور موزوں ہے۔ جنگ نامہ امیر حمزہ کی مقبولیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ تقریباً نصف صدی میں اس کے بیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ہر دفعہ یہ کتاب تین ہزار سے کم نہیں چھپتی۔ اب تک ساٹھ ہزار کتب فروخت ہو چکیں ہیں۔ اس کی دلچسپی اور طلب کا یہ عالم ہے کہ ایک بار پڑھنا شروع کر دیں تو پھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ جنگی واقعہ کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کا مزہ دینے والی کہانیاں بھی آ جاتی ہیں جن کو شاعر بڑے مزے کیساتھ بیان کرتا ہے۔ یہ مثنوی فن سپاہ گری کی بہترین تعلیم ہے۔ اس کو پڑھ کر بزدل سے بزدل انسان بھی اپنے اندر جرأت اور گرمی کی حرارت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اخلاق کی تعلیم کا یہ عالم ہے کہ پتھر سے پتھر دل انسان بھی اس کے اثر سے خالی نہیں رہتا۔ مردہ دلوں میں عشق و محبت کی امنگ کی لہریں ابھرنے لگتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ یہ قادر الکلام شاعر اپنے دینی فرائض سے بھی غافل نہیں رہتا جہاں کہیں موقع ملتا ہے اس طرف بھی دھیان دیتا ہے۔ پہلی جلد کے شروع کا ایک واقعہ ہے کہ القش نامی ایک بندہ اپنے ایک

دوست بخت جمال کو چند روپوں کی خاطر قتل کر دیتا ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مولوی صاحبؒ نے اپنے تاثرات یوں بیان کیے ہیں۔

الفش دنیا واسطے ہویا بے ایمان
اوڑک خالی جاوسی ہو کے سرگردان
دنیا اک محبوب ہے پر ہے باجھ وفا
لکھ ہزاراں ایس نے مارے یار بنا
زیبا نظری آوندی اس دی شکل عجیب
ناز ہمیشہ ایس دا ناہیں کسے نصیب
بھل نہ خاکی زادیا پا اسدے سر خاک
نہیں تے وچ افسوس دے رہے گریباں چاک

(86)

آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ یہ بزرگوں کی عقل ودانش والی تسلیم شدہ باتیں اُس شاعر کے دماغ سے نکلی ہیں جس کی عمر ابھی صرف پندرہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ جو ابھی جوانی کی حدود کو بھی نہیں پہنچا اور ابھی اس کا لڑکپن ہے۔ بقول محمد عالم جہاں تک میری سوچ اور میرا مطالعہ ہے میں یہ کہنے میں اپنے آپ کو جھوٹ سے پاک اور بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں کہ دنیا جہان کی شاعری میں مولوی غلام رسول صاحب کا کوئی مقابل نہیں ہے۔ پندرہ سال کے بچے کیلئے یہ دل کو موہ لینے والی باتوں سے بھرپور دنیا بچوں کیلئے ہنسنے اور کھیلنے سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتی اور وہ اس کے فنا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے لیکن نوجوان غلام رسولؒ تجربہ کار ستر سالہ بوڑھے سے بھی زیادہ اس پرانی دنیا کی نبض پر انگلیاں رکھ کر اسکے اندر کی حالت کو بیان کر رہے ہیں۔ اُنکی نظر دنیا کی ظاہری چمک دمک کی تہہ میں کمزور ہڈیوں کو دیکھ رہی ہے۔ کوئی عمر رسیدہ اور بڑے سے بڑا شاعر بھی اس فانی دنیا کی اس سے بڑھ کر کیا تصویر کشی کریگا۔ (87)

دنیا اک محبوب ہے پر ہے باجھ وفا
لکھ ہزاراں ایس نے مارے یار بنا

(88)

ایران کے بہت بڑے شاعر خواجہ حافظ کے مشہور شعر کے سامنے مولوی صاحب کے شعر کو رکھ کے دیکھیں اور پھر خود ہی انصاف کریں۔

مجو دوستی عہد از جہانِ بے بنیاد
کہ ایں عجوزهٔ عروس ہزار داماد است

ترجمہ: فانی دنیا سے عہد کی پختگی نہ ڈھونڈو اس بوڑھی دلہن کے ہزار داماد ہیں۔

امیر حمزہ کا آغاز مولوی صاحب نے اپنے پسندیدہ اور خوبصورت انداز سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اے دل ٹور مقدمہ نقش اگاڑ دکھا
قلم چڑھی سر جوش دے ورقاں وچ وگا
لے چل ول نوشیرواں نغز بیانی نوں
پہلوں زینت زیب دے تخت کیانی نوں

نوشیرواں کے باپ قباد سے یہ قصہ شروع ہوتا ہے۔ قباد کے بعد نوشیرواں کا دور آتا ہے۔ پھر نوشیرواں کے بیٹے ہرمز اور پھر ہرمز کے بیٹے قباد پر جا کر یہ داستان ختم ہوتی ہے۔ اس داستان کا ہیرو امیر حمزہ ہے۔ ان کی پیدائش نوشیرواں کے عہد میں ہوتی ہے۔ ہوا یوں کہ جب امیر حمزہ پیدا ہوتے ہیں تو نوشیرواں کا باپ قباد اپنے درباری نجومی بزرجمہر سے پوچھتا ہے کہ اس کا دشمن کون ہے۔ یہ بات آپ مولوی صاحب کی زبان سے سنیں۔

دشمن اس دا ہووسی یا کو ناں وچہ جگ
ناموری وچ ایسدے داغ نہ جاوے لگ
کیہیا بزرجمہر نے گل نہیں بن خار
رنج خوشی دا میل ہے گنج سنیں بن مار

اس کے بعد بزرجمہر بادشاہ کو امیر حمزہ کی بہادری اور دلیری کا حال بتاتا ہے۔ بادشاہ یہ باتیں سن کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور بزرجمہر کو حکم دیتا ہے کہ تم ابھی عرب میں جا پہنچو اور عربی عورتوں کے کچے حمل گرا دو تا کہ میرے بیٹے کا دشمن پیدا ہی نہ ہو سکے۔ بزرجمہر بادشاہ کا فضول حکم سن کر عرب کو روانہ

ہو جاتا ہے۔(89)

اب آپ مولوی صاحب کی زبان سے امیر حمزہ کے پیدا ہونے کی تمہید کے چند شعر سنیں۔

کھول غلام رسول ہن مرداں دے طومار
باہر لیا میان تھیں حمزہ دی تلوار
کڈھ عرب دے گوشیوں تیغ بہادر نوں
گھت گھڑی بھر ایڑیں شیر دلاور نوں
ہن اوہ والی عرب دا ہون لگا اظہار
جس دا خوف قباد دے دل نوں گیا نگھار
جو رب قلم قدیم دی واہی قدرت نال
کہڑا موڑے اوس نوں موڑن بہت محال
لاواہاں نمرود بھی تھک رہیا فرعون
حکم مقتدر رب دا انت ہٹاوے کون

ان اشعار میں شاعر نے دو باتیں بتائیں ہیں ایک تو بہادر مرد کا پیدا ہونا اس لئے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں بہادری، جرأت، دبدبہ اور ہول ناکی کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔تلوار، تیغ بہادر، شیر دلاور، والی عرب وغیرہ کی ترکیبیں میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہیں ہیں۔آخری دو شعر دنیا کی بے ثباتی اور بے بسی کا تاریخی ثبوت پیش کر رہے ہیں۔یہی تمہید آگے چل کر بادشاہ قباد کے ارادوں کو تباہ کر کے ہار پر ختم ہوتی ہے۔شاعر کا یہ کہنا ''تھک رہیا فرعون''(90)

حکم مقتدر رب دا انت ہٹاوے کون

یہ شعر اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو نیچے والی کہانی کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے۔فرعون کو بھی یہ بتایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تیری حکومت ختم کر دے گا۔اس نے اس حادثے سے بچنے کیلئے بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنے کا حکم صادر کر دیا تھا اور مولوی صاحب کے کہنے کے مطابق۔

"حکم مقتدر رب دا انت ہٹاوے کون"

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے گھر میں ہی پرورش کر کے انہیں کے ہاتھوں فرعون کی حکومت ختم کرادی۔ اسی طرح قباد جس نے بزرجمہر کو امیر حمزہ کو ختم کرنے کیلئے بھیجا تھا وہ آپ کی پرورش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ قصہ مختصر کہ قباد مر جاتا ہے اُس کا بیٹا نوشیرواں بادشاہ بن جاتا ہے امیر حمزہؓ بزرجمہر کے وسیلے سے نوشیرواں کے دربار میں پہنچ جاتا ہے۔ اُن کی بہادری کے سبب سپہ سالار اعلیٰ کا منصب آپ کو مل جاتا ہے۔ یہ منصب پہلے گستم کے پاس تھا جو چین کی مہم کو گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آتا ہے تو اس کے آنے سے پہلے ہی اس کا بیٹا امیر حمزہ سے ہار چکا ہوتا ہے۔ (91)

باپ کے آنے کے بعد کا حال مولوی صاحب کی زبانی سنیں۔

اٹھ ساقی ہن نشے دے دو گھٹ ہور پلا
نویں بہادر مرد نوں حمزہ نال لڑا
سُندیاں چڑھن خماریاں غم لیجئے اُڈا
شعر غلام رسول دا چاہڑ پُرے دی واہ
وچ میدان دلاوراں کرنی جان فدا
اکناں خاک اُڈاونی مفت تکوراں کھا
دنیا دے وچ بازیاں توں مت وقت گوا
لوک کہن پر گل پیا جیوں کیوں ڈھول وجا
(92)

گستم کو سارے امیر وزیر، امیر حمزہ کیخلاف کر دیتے ہیں جب بادشاہ اُس کے آنے کی خوشی میں جشن کرتا ہے تو گستم شراب پی کر امیر حمزہ کے ساتھ اس طرح بولتا ہے۔

کہندا مفلس عربیا اے پشمینہ پوش
پلیوں اندر جنگلاں تے پائی کجھ ہوش

شیر شتر تھیں پرورش جنگل پائی تیں
ناحق وچ جہان دے دھم مچائی تیں
فربہ ہویوں کھائیکے لونبڑ تے خرگوش
پت پرال انگوریاں کردا رہیوں نوش
رکھی سکی جو اَن دی نکی تے گزران
پی پی ستو جو اَن دے ہویوں اج جوان
کھادے بھکھے مردیاں چُن ملھیاں دے بیر
ستھر اُپر سوندیاں گزرے شام سویر
(93)

پہلی صدی کے عرب حملہ آوروں کیخلاف ایرانی ذہن کی یہ تصویر ایران کی نئی اور پرانی کئی کتابوں میں دکھائی گئی ہے فردوسی نے اپنے دو اشعار میں اس کا اظہار یوں کیا ہے۔

زشیر شتر خوردن سو ہمار
عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاج کیاں را کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ترجمہ: اونٹ کا دودھ اور گوہ کا گوشت کھانے والے عرب یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ کیانی تخت کی خواہش کرتے ہیں۔ اے گھومنے والے آسمان تجھ پر افسوس بہت افسوس۔

فارسی نثر کا لکھاری اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔ اس پر حیرانی ہوتی ہے کہ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ ابھی نوعمر ہیں اور ایک گمنام سے گاؤں میں بیٹھ کر جہاں کوئی لائبریری نہیں ہے کہ معلوماتی باتیں حاصل ہوں یوں معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا فرشتہ اُن کی زبان سے ایران کی عرب دشمنی بیان کر رہا ہے۔ جس کا اس زمانے میں اچھے بھلے پڑھے لکھے افراد کو بھی علم نہیں تھا لیکن تحقیق اور مطالعہ کے بعد حقیقت بن کر سامنے آنے والی تھیں۔ ایران کی عرب دشمنی بہت پرانی ہے۔ اس میں فردوسی کے قلم کا بھی کافی ہاتھ

ہے۔ وہ عربوں کی تضحیک کرنے میں کمی نہیں کرتا ہے اس کے مقابلے میں مولوی صاحب کو اپنے ہیرو امیر حمزہ کے ریت کے ٹیلوں سے بھی پیار ہے۔ فردوسی نے جن عربوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے مولوی غلام رسول نے اس سے کئی گناہ زیادہ عربوں کو بہادر' باہمت اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ایرانیوں کو بے وفا اور وعدے کے جھوٹے ثابت کیا ہے۔ ہوسکتا ہے شاہنامہ سے متاثر ہو کر مولوی صاحب نے جنگ نامہ امیر حمزہ لکھا ہو مگر جہاں تک واقعہ نگاری کا تعلق ہے آپؒ نے ہر ایک کردار کا پورا حق ادا کیا ہے۔

اس کتاب کی افسانوی حیثیت سے مؤلف کتاب کی غیر معمولی دانش کی داد دینی پڑتی ہے۔ اُن کی ادبی خوبیاں' شعری وقار' حسن بیان' زبان کا مزہ' واقعات کا نقشہ کھینچنا' الفاظ کی ترتیب' تسلسل معاملہ بندی' بغیر رکاوٹ کے شعری صنعت کا استعمال اور پھر موقعہ محل کے مطابق مناسب الفاظ کا چناؤ اور پندرہ سال کی عمر حیرت کے دریا میں غوطے کھانے پڑتے ہیں اور یہ حیرت اندر حیرت است جیسی بات ہے۔ نوشیرواں کی بیٹی مہر نگار جو امیر حمزہ پر دل ہار بیٹھی ہے اسے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ اصل داستان گو نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا مگر مولوی صاحب کو اس بات کا پورا پورا احساس ہے۔ وہ عاشق اور معشوق کے درمیان جو لمبی جدائی آنے والی ہے اس کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ (94)

آپ لکھتے ہیں۔

سن سن مہر نگار دا اڈیا صبر قرار
بہ گوشے وچ درد دے روئی زار و زار
خبر کیا مڑ آونا کدوں پیارے یار
کی جاناں کس دیس دے لوک کرن دیدار
بدر منور عربیا لُٹ لیئوئی دل
رہاں تڑفدی تیں بناں گیوں نہ جاندا مل

اج پیارے اساں تھیں واگاں موڑ چلے
گل میرے تھیں پیار دے ہار تروڑ چلے
ہجرے وچ فراق دے مینوں روہڑھ چلے
پا دل نوں وچ درد دے دلبر چھوڑ چلے
مڑ ملاویں خالقا جیوندیاں جے پھیر
آن ملیں جند وارساں یار نہ لاویں دیر

(95)

ان اشعار کی بے قراری کی کیفیت اس سے ظاہر ہے کہ مہر نگار پہلے غائب کے صیغے میں دُہائی دیتی ہے چوتھے شعر میں یار کی صورت اور تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور بات کرنے کے انداز میں آہ وزاری کرنے لگتی ہے۔ پھر اسی وقت وہ پیارا چہرہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے پھر غائبانہ باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ آخری شعر کا پہلا مصرعہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے اور دوسرا مصرعہ پھر محبوب کے حضور جان کا نظرانہ پیش کر رہا ہے۔ شاعر نے ہجر اور فراق، بے چینی، گھبراہٹ اور دیوانگی کی پوری فضا الفاظ اور معنوں پر طاری کر دی ہے۔ معنوں کے لحاظ سے پہلے ہی مصرعہ میں صبر وقرار جاتا رہتا ہے۔ جس کا ثبوت دوسرے مصرعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ درد واندوہ کے گوشے میں گریہ زاری کے واسطے وقف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک سے ایک شعر تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دنیا سے منہ موڑ کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں رونے لگتی ہے۔ اُس ذات کو یہ طاقت ہے کہ وہ نہ طے ہونے والی منزلوں کو طے کر دے اور نہ ختم ہونے والی رکاوٹوں کو دور کر کے دو چاہنے والے دلوں کو ملا دے اور دھڑکتے دلوں کو سکون بخش دے۔ جب امیر حمزہ لندھور کو پکڑنے کیلئے جاتے ہیں تو ان کا گزر ایک جنگل سے ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے اس جنگل کے درختوں کی اقسام اور اُن پر بولنے والے جانوروں کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کیسے کرتے ہیں۔ جب تیتر کی بات کرتے ہیں تو تیتر کے بارے پنجاب میں جتنی بھی کہاوتیں مشہور ہیں سب نظم کر دی ہیں۔ پنجابی ادب میں تیتر کی آواز کے متعلق اتنا مواد آج تک کسی نے اکٹھا نہیں کیا۔ عام طور پر تیتر کی آواز کے متعلق تین یا چار کہاوتیں مشہور ہیں مگر آپ نے بارہ کہاوتیں نظم

کی ہیں۔(96)

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ فرماتے ہیں۔

رکھیں تتر بولیاں مغزوں بھرے کلام
مقصد ملن سنیدیاں جت ول دل دا کام
سن عاشق آواز نوں کہندا کر کر ناز
عشق قضیہ چان چک تتر دی آواز
مرد لماں سن لفظ نوں معنی کرے طراز
آب سمندر لک لک تتر دی آواز
کہے قصائی سن لئیو جے ہے سمجھ دراز
سری کھروڑے ڈھک رکھ تتر دی آواز
سن بیمار پکاریا کر کے عجز نیاز
سیس کریندا ڈک ڈک تتر دی آواز
نک وڈے کن چور دے اوہ سن کہندا راز
وڈھ گوائے کن تک تتر دی آواز
کردی میر شکار دی رمز ولوں پرواز
چڑی کبوتر تک تک تتر دی آواز
سن فرماوے بانیا ہو عشرت پرواز
مرچ مصالحہ ادرک تتر دی آواز
سن کہیا ترکھان نے ہو تقریر نواز
تیشہ لاہے سک سک تتر دی آواز
کہے لوہار وچار کے ہو گردن افراز
آہرن دے سر ٹھک ٹھک تتر دی آواز

بھکھے نے سن آکھیا سمجھ وجیندا ساز
کچا پکا پک پک تتر دی آواز
سُنی غلام رسول نے پئی پکار نماز
حکم خدا دا حق حق تتر دی آواز

یعنی تیتر تو ایک ہی بولی بولتا ہے مگر ہر سننے والا اپنے اپنے خیال کے مطابق مطلب نکال لیتا ہے مثلاً عاشق یہ سمجھتا ہے کہ عشق کا خفیہ اچانک ہے، لمبا آدمی سمجھتا ہے کہ سمندر کا پانی کمر کمر ہے، قصائی سمجھتا ہے کہ تیتر کہہ رہا ہے کہ سر اور پاؤں جما کے رکھ۔ اسی طرح مقطع میں آپ نوعمری میں ہی اپنی عارفانہ شان دکھا رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ دراصل تیتر نماز کیلئے بلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اللہ کا حکم حق ہے۔

مولوی صاحب قافیہ بندی کے بادشاہ ہیں۔ جب کوئی مشکل قافیہ آپ کے سامنے آتا ہے تو پھر مثنوی کی عام روایت کو چھوڑ کر قافیہ کے پیچھے ہو جاتے ہیں اور یوں لگتا ہے اس قافیے کے بادشاہ کے آگے فوج ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ ساری مثنوی میں شاعر نے تقریباً بارہ جگہ پر اپنی اس قافیہ بندی پر طبع آزمائی دکھائی ہے۔ یہاں میں صرف ایک مقام کے شعر نقل کرتا ہوں یہ اشعار پچھلے واقعات کے متعلق ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ گستہم امیر حمزہ کو زہر دے کے امیر کے دوستوں کے خوف سے ڈرتا ہوا نوشیرواں کے پاس پہنچ جاتا ہے جب اُس کو خبر ملتی ہے کہ امیر حمزہ ابھی زندہ ہے اور وہ لندھور کو پکڑ کے نوشیرواں کے پاس لا رہا ہے تو وہ پائے تخت کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں مولوی صاحب کو لفظ چھوڑ سے ''ڑدا'' قافیہ مل جاتا ہے۔ میں مولوی صاحب کے اشعار نقل کرنے سے پہلے یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ سی حرفیوں میں میاں ہدایت اللہ کا مقام بہت اونچا ہے میاں صاحب کی طبع کا یہ عالم ہے کہ وارث شاہ کی تصنیف ہیر میں جن اشعار کا آپ نے اضافہ کیا ہے اُن پر کسی کو یہ شک بھی نہیں پڑی کہ یہ شعر وارث شاہ کے ہیں۔ ہیر وارث شاہ کا مشہور بند ہے۔

ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر چیکاں میتوں لے چلے بابلا لے چلے وے

ہدایت اللہ کے ذہن کی پیداوار ہے لیکن جب وہ اپنی سی حرفی میں مشکل قافیے ''ڑ'' پر آتا ہے تو صرف چار مصرعے کہہ سکا ہے۔

ح: حق کیوں اپنا چھڈنا ایں جتی کپڑا چور تھیں موڑ میاں
توبہ والڑا کس کھاں بھور تازی واگاں ڈھلیاں چھڈ توڑ میاں
جتی کپڑا کھس کے چور کولوں زرہ اسدی دھون مروڑ میاں
جتی کپڑا ایمان ہدیت اللہ دشمن جان شیطان ہے چور میاں
(97)

اب ذرا مولوی صاحب کا رنگ بھی دیکھیں کہ وہ اس ''ڑ'' کے قافئے سے کیسے کھیلتے ہیں۔

ڈردا عرب امیر تھیں گیا مدائن چھوڑ
دیروں جڑاں اکھیڑیاں گیا مہاراں موڑ
جھگاچوڑ حریف دا ہیبت گئی مکھوڑ
کیتے عمل سیاہ تے گردن گئی مروڑ
تے دو نین وگاوندے دل دا خون نچوڑ
ویری نے کعبہ چھان کے دند دبائے اوڑ
عمل وگائے طالع نی ڈوبو وچ بوڑ
نال حریف بہادراں کون گھتے ہتھ جوڑ
ہن دم کٹ نہ سکدا دل ہویا انموڑ
ویری دا گھر سامنا کون دھرکن کھوڑ
کڈھ دریاوں لے گیا قہر غضب ول ہوڑ
پائیاں بہت خواریاں جھلے طعن تنوڑ
وس نہ رہیا دستا کھارا قوت گھروڑ
دم ہارے سب وسدے کس دی تکی اوڑ
دیر پئے گھر سکھنے کتنے لکھ کروڑ

دشمناں وچ مدتاں مغز گھوریا پھوڑ
گستم اج مدائنوں گیا امیداں توڑ

(98)

شاعری میں مثنوی کا میدان بہت کھلا ہے واقعہ سے واقعہ نکلتا چلا آ رہا ہے۔ پھر ان تمام واقعات کو قابو میں رکھنا اور ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ کے ساتھ اس طرح ملانا کہ پڑھنے والے کو پتہ بھی نہ چلے مثنوی کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ہر شاعر میں یہ خوبی نہیں ہوتی۔ پھر ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف اس طرح پلٹ جانا کہ پڑھنے والا اُکتاہٹ محسوس نہ کرے ہر شاعر کے بس کی بات نہیں مگر مولوی صاحب کا ایک واقعہ لکھتے ہوئے دوسرے واقعہ کی طرف پلٹ جانے کا انداز انوکھا اور نرالا ہے آپ ایک شعر میں یہ مقصد پورا کر جاتے ہیں۔ سمند خاں اور خواجہ احمد آپ کے دو دوست ہیں جب ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف واپس آتے ہیں تو بڑی آسانی سے دوستوں کے نام لے لیتے ہیں کہ میرے دوستوں نے مجھ سے یوں کہا ہے۔(99)

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کہتے ہیں۔

اے دل کر کے مختصر ایہ گل ایتھے چھوڑ
خواجہ احمد آکھدا واگ پچھاڑی موڑ

چھوڑ غلام رسول ہن اس جھگڑے دی بات
کردا یاد سمند خاں حمزہ دے حالات

میل غلام رسول ہن حمزہ یاراں نال
مدت ہوئی وچھڑیاں گئے اٹھارہ سال

شاعر نوں ہن ٹبدے یار سبھے دن رات
کیوں آور انگیز دی چھڈ بیٹھوں گل بات

بس غلام رسول ہن ایتھے چھوڑ بیان
پچھلا حال سنا توں کر کے رقم عیان

حمزہ عمر عیار دی اے دل گل سنا
چھوڑ احوال نوشیرواں رہن دیو اک وا

کلام میں ربط، تسلسل اور مطلب کی طرف لوٹ آنے کا یہ طریقہ مولوی صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔ مثنوی رومی میں مولانا روم نے کہانیوں کے مجموعے میں کئی مضامین بیان کیے ہیں مختلف مضامین کے ضمن میں کئی تمثیلی کہانیاں لائے ہیں بہت دور جا کے اپنے موضوع اور مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ان کے پلٹنے کا طریقہ الگ ہے۔(100)

پندو نصیحت اور فطرتی باتیں

مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ اپنے تبلیغی مشن سے بھی غافل نہیں ہوتے اور ساتھ میں عشق و محبت، دنیا کا چند روزہ پن جیسی باتوں کیساتھ ساتھ عبرت اور دانش کی باتیں کئی رنگوں میں کر جاتے ہیں۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی زبانی چند اشعار سنیں۔

جدوں وگے ہڑھ فضل دا روہڑ کھڑے دُکھ سُول
گئیاں گزر مصیبتاں یاد نہ آون مُول
دکھ سکھ تے غم خوشی ہے اے غافل مت بھُول
اکو رمز پریم دی جے سکیں لے مول
پر ایہہ جو دم گزرنا مڑ ناں ہوگ وصول
تے اگلے دے دھرم تے چھوڑ امید نہ مول

کی کرنے نوں گھلیوں کی دھریو معمول
آئیوں فتح کماونے خود ہویوں مقتول
رلدی ملدی رمز تھیں یار نہ ہون ملول
لکھیا پڑھے سمند خاں لکھے غلام رسول

ترجمہ: مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا ہے تو وہ دکھ اور مصیبتوں کو بہا کر لے جاتا ہے اور پھر کبھی تکالیف یاد بھی نہیں آتیں لیکن اے غافل انسان دکھ، سکھ، غم اور خوشی یہ زندگی کا حصہ ہیں راز کی بات یہ ہے کہ تو صرف پیار کر اور پیار ہی ایک ایسا جذبہ ہے جس کی دنیا میں ضرورت ہے جو وقت گزر رہا ہے یہ واپس نہیں آئے گا یہی ایک لمحہ ہے جس میں کوئی اچھا کام کر لے ذرا غور کر کہ تو اس دنیا میں کیا کرنے کیلئے آیا ہے اور تیرا معمول کیا ہے تو اچھے کام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے لیکن یہاں آ کر تو نے خود کو ذلت میں گرا لیا ہے اپنی حیثیت کو ختم کر لیا ہے میں نے رمز سے بات کی ہے میرے دوست رنجیدہ نہ ہوں غلام رسول لکھ رہا ہے اور میرا دوست سمند خان پڑھے گا۔

لفظ مول مولوی صاحبؒ نے تین بار استعمال کیا ہے۔ تینوں بار الگ معنے سامنے آ رہے ہیں مول بالکل ۔مول خرید۔مول ہرگز۔ داستان امیر حمزہ میں ہی اسی سلسلے کی چند اور مثالیں دیکھیں یہاں نصیحت کی باتیں بہت خوبصورتی سے بیان کی ہیں اور یہ اشعار تو اب محاورے بن چکے ہیں۔

کائو سنہری آلنے وٹھ کرے مت دیہہ
ککڑ تخت بہا لیا انت کھلارے کھیہ
بگھیاڑاں نوں پالنا چنگا کدی نہ ہو
بلی نوں ٹک پائکے ککڑ تھیں ہتھ دھو
شیش محل وچ بیٹھیاں اول سنگ نہ مار
اکو سنگ حریف دا خانہ کرے خوار
شہد سنوارے کار تے زہر نہیں درکار
نقد خلاصی بھلی ہے مندا راج ادھار

لاہے دی اُمید تے رہو نہ مول ونجا

جے دیکھو دھن جاوندا اوھا دیئو لٹا

ترجمہ: یہاں مولوی صاحبؒ نے بہت خوبصورتی سے نصیحت کی باتیں کی ہیں۔

کوے کو اگر سنہری گھونسلے میں بھی بٹھا دیا جائے تو اُس کی اصلیت تبدیل نہیں ہو سکتی جس طرح کے مرغ یا مرغ کی خصلت رکھنے والے انسان کو سربراہ بنا دیا جائے تو وہ مٹی ہی اڑائے گا یعنی کوئی اچھا کام نہیں کرے گا۔ اگر تو اپنے مرغے کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو بلی کو روٹی نہ ڈال تا کہ وہ تیرے گھر میں نہ آئے۔ شیشے کے گھر میں بیٹھ پتھر نہ مار یعنی دوسروں کے عیب اور غلطیوں کی تشہیر نہ کر ذرا اپنے عیوب پر نظر ڈال کہ اگر تیری غلطیاں زیادہ ہیں تو دوسرا شخص تیرے ایک ہی عیب سے تیرا خانہ خراب کر دے گا۔ جو کام ڈرا دھمکا کر ہو سکتا ہو اس کے لئے لڑائی کی ضرورت نہیں ادھار کا کاروبار کرنے سے نقد بہتر ہے۔ منافع یا سود کی امید پر اصل رقم نہ گنوا دینا اگر سب کچھ جاتا دیکھو تو آدھا لٹا کر باقی بچا لو۔

فردوسی اور مولوی غلام رسول عالمپوریؒ

فردوسی اور مولوی غلام رسولؒ کی شاعری کا موازنہ کرنے سے پہلے اُن کے کچھ مشترک اور کچھ الگ الگ زندگی کے پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں بڑے شاعر دیہاتی تھے دونوں کا آبائی پیشہ زمینداری تھا۔ دونوں کا موضوع سخن ایک ہی ہے یعنی رزمیہ (جنگی مثنوی) فردوسی نے ایران کا قصہ لکھا ہے تو مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے عرب کا۔ فردوسی کا ہیرو رستم ایرانی ہے جبکہ مولوی صاحبؒ کا ہیرو حضرت امیر حمزہؓ ہے۔ افسانہ طرازی دونوں قصوں میں بہت زیادہ ہے۔ (101)

فردوسی خود کہتا ہے۔

منش کردہ ام رستم داستاں

وگرنہ یلے بود در سیستاں

ترجمہ: میں نے رستم کی داستان لکھ کر اُس رستم بنایا ورنہ وہ سیستان کا ایک پہلوان ہی تھا۔

اسی طرح حضرت امیر حمزہؓ بھی اپنے زمانے میں ایک شہ زور جوان تھے۔ یہاں تک قدر مشترک ہے اب علیحدہ پن دیکھیں۔ شاہنامہ لکھنے کے وقت فردوسی کی عمر پچاس سال تک پہنچ چکی تھی اور وہ شاہی مدد کی امید پر کام کر رہا تھا۔ جیسے وہ کہتا ہے۔

بسے رنج بردم دریں سال سی

عجم زندہ کردم بدیں پارسی

چوں سی سال بردم بہ شاہنامہ رنج

کہ شاہم بہ بخشید دوراش گنج

کنوں عمر نزدیک ہشتاد شد

امیدم بہ یک بارہ برباد شد

ترجمہ: ان تیس سالوں میں میں نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ میں نے اس فارسی میں ایران کو زندہ کر دیا۔ جب میں نے تیس سال میں یہ شاہنامہ مکمل کر لیا کہ شاہ مجھے اس کے بدلے میں خزانہ دے

گا۔اب جبکہ میری عمر اسی سال کے قریب ہوگئی لیکن میری ساری امیدیں ختم ہوگئیں۔

معلوم ہوا کہ فردوسی نے شاہنامہ تیس سالوں میں اس امید پر لکھا کہ بادشاہ اُسے انعام دے گا۔ پچاس سال کی عمر سے اسی سال کی عمر تک لکھتا رہا اور ساٹھ ہزار شعر لکھے اس کے مقابلے میں مولوی صاحب نے تین مہینوں میں بیس ہزار شعر لکھے۔فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو وہ پختہ عمر کو پہنچ چکا تھا اُس کے مقابلے میں مولوی صاحب کا ابھی بچپن تھا۔ یہاں دونوں شاعروں کے مشترکہ موضوعات کو نقل کیا جاتا ہے۔امیر حمزہ ایک دیو پر سواری کرتے ہیں اسی طرح رستم ایک دیو پر سوار ہوتا ہے جب دیو اُونچائی پر پہنچتے ہیں تو اُن کی نیتیں بدل جاتی ہیں اور ہر ایک اپنے سوار سے پوچھتا ہے کہ بتا تجھے کہاں گرادوں۔(102)

یہ واقعہ دونوں شاعروں کی زبانی سنیں۔

مولوی غلام رسولؒ	فردوسی
پھر پچھے ہن حمزیا کیڈک زمیں مقام	چوں رستم بجنبید بر خویشتن
چھوٹے حجرے وانگ ہے کہیا دھرت تمام	چنیں گفت رکواں کہ اے پیلتن
پھر کہندا ہن دس کھاں کتھے ماراں چا	یکی آرزو کن کہ تا از ہوا
یا کہہ وچ پہاڑ دے یا اندر دریا	کجا آید اکنوں فگندن روا
سن حمزہ فرماوندا ایہہ کی کریں جفا	سوی آبت اندازم از سوی کوہ
کی میرے احسان دا لگوں کرن وفا	کجا خواہی افتاد دور از گروہ
دیو کہے اے خاکیا گیوں عقل تھیں بھل	چوں رستم بگفتار او بنگرید
ناں سنیا جو دیو دے کم اپٹھے کل	تن اندر کف آں دیو واژونہ دید
بھلا کرے جو دیو تھیں برا کرے دیو ٹھیک	چنین گفت بادل گو پیلتن
ہن بدلہ احسان دا ملن لگا نزدیک	کہ از چارہ بہ نیست در ہر سخن
سن حمزہؒ وچ دلے دے پچھتاوے سوار	کنوں ہر چہ گوئمش جز آں کند
ہو بیٹھا میں کاسنوں دشمن تے اسوار	نہ سوگند داند نہ پیماں کند

گر ایدوں کہ گویم بدریا فگن
بکوہ افگند بد گہر اہرمن
بکو ہم زند تا شوم ریز ریز
بداں تابر آید زمن رستخیز
یکی چارہ باید کنوں ساختن
کہ دانش بآب آید انداختن
چنیں داد پاسخ کہ دانائی چین
یکی داستانے زدست اندرین
کہ درآب ہر کو برآید ہوش
بمیمونہ بیند روانش سروش
بماند بزاری روانش بجائے
خراش نیابد بدیگر سرائے
بدریا نیاید کہ اندازیم
کفن سینہء ماہیاں سازیم
بکو ہم دراندازتا برد شیر
بہ بیند بچنگال آں مرد دیر

(103)

سوچ کرے جے کہاں میں مار اندر دریا
مارے اپر کوہ دے مینوں اے اٹھا
میری ہڈی پسلی ہو جاوے گی چور
مفت ملے بن یار دے جند ہووے گی دور
پرجے اس نوں کہاں میں اُپر کوہ وگا
ایہہ اپٹھا دیو ہے سٹ سی وچ دریا
پانی دیوچ پواں گا ایہہ دل سوچ دھرے
جان میری بچ جاوسی جے رب فضل کرے
کہندا سُٹ پہاڑ تے مرساں ٹکڑے ہو
مٹے ہڈی پسلی خبر نہ پاوے کو
دیو کہے کم دیو دا اُلٹا ہے ہر حال
تیرا کہیا کیوں کراں پانواں تدھ وبال
کھاون تینوں مچھیاں سٹاں وچ دریا
مچھی کوئی رج کے میں حق کرے دعا
ایہہ گل کہہ دریا ول ماریا حمزے نوں
حمزہ تائیں سٹ کے نسا حال زبوں

(104)

فردوسیؒ اور مولوی صاحبؒ کے ایک جیسے مضامین کے اشعار کو دیکھنے سے پہلے دونوں کے حالات کے فرق کو سامنے رکھیں۔

1۔ ایک طرف 70 یا 72 سال کا ایک تجربہ کار بوڑھا ہے اور دوسری طرف ایک نوعمر ہے جو ابھی بھرپور جوان بھی نہیں ہوا۔

2۔ فردوسی شاہی مدد کی امید پر شعر لکھ رہا ہے مولوی صاحبؒ کے سامنے سمند خان اور خواجہ احمد

جیسے دوستوں کی داد کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

3۔ فردوسی ایک ایسی زبان میں شعر کہہ رہا ہے جس کے پیچھے ایک پوری قوم ہے اور وہ قوم جو اپنی زبان، ادب، رہن سہن، تہذیب و تمدن، مذہب، بادشاہی اور تاریخ کے مقابلے میں دنیا کی ساری قوموں کو حقیر اور گھٹیا سمجھنے کی عادی ہے۔ اس کے مقابلے میں مولوی صاحبؒ کی شعری زبان کے وارث پنجاب کے علمی حلقے ہمیشہ ہی احساس کمتری کا شکار رہے۔ اس سے بڑی پنجاب کی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کا یہ واحد خطہ ہے جہاں کے بسنے والے اپنی مادری زبان کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ انہیں اپنی مادری زبان میں شعر کہنا تو درکنار پنجاب کے ابتدائی بڑے شاعروں کے کلام کی طرف توجہ کرنا بھی اپنی علمی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

4۔ فردوسی کو شاہنامہ لکھنے پر اس کے ہم وطنوں نے اوپر اٹھالیا اور وہ آج تک بڑا شاعر ہے۔ دراصل مولوی صاحبؒ ایک گمنام سے گاؤں میں پیدا ہوئے اور ارد گرد کے دیہاتی اور ان پڑھ لوگ انہیں پہچان بھی نہ سکے۔ محمد عالم نے کیا خوبصورت بات کی ہے کہ نہ مولوی صاحبؒ کا کلام کسی نے سنا اور نہ ہی آپؒ کی صوفیانہ بے نیازی نے کسی سے داد یا تعریف کے صلے کی کوئی امید رکھی دونوں شاعروں کے مزاج اور حالات کے علیحدہ پن کو الگ رکھیں اور پھر دیکھیں کہ جس طرح فردوسی نے مفہوم ادا کرنے میں پوری فنکاری اور استادی سے کام لیا ہے کیا مولوی صاحبؒ کے کلام میں کوئی کمی، اُلجھن یا ڈھیلا پن ہے؟ فردوسی نے ایک مطلب ادا کرنے کے لئے پانچ مصرعے استعمال کیے ہیں۔

چنیں گفت اکواں کہ اے پیلتن
یکی آرزو کن کہ تا از ہوا
کجا آید اکنوں فگنداں روا
سوی آبت اندازم ازسوی کوہ
کجا خواہی افتاد دور از گروہ

ترجمہ: دیو نے کہا اے رستم تیری کیا خواہش ہے ہوا سے تجھے کہاں گراؤں؟ پانی میں یا پہاڑ پر؟ دونوں میں جہاں تیری پسند ہے بتا۔

مولوی صاحب کہتے ہیں۔

پھر کہندا ہن دس کھاں کتھے ماراں چا
یا کہہ وچ پہاڑ دے یا اندر دریا

یہاں بات پوری ہوگئی ہے۔ جواب میں رستم کی زبان سے فردوسی کہتا ہے۔

چوں رستم بگفتار او بنگرید
تن اندر کف آں دیو واژونہ دید
چنیں گفت بادل گو پیلتن
کہ از چارہ بہ نیست در ہر سخن
کنوں ہر چہ گوئمش جز آں کند
نہ سوگند داند نہ پیماں کند
گر ایدوں کہ گویم بدریا فگن
بکوہ افگند بد گہر اہرمن

ترجمہ: جب رستم نے اُس کی بات سنی اور دیو کے قبضے میں اپنا جسم دیکھا تو اُس وقت اُس نے اپنے دل میں سوچا کہ باتوں سے اس کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکے گی اب میں جو اسے کہوں گا وہ اس کے الٹ کرے گا نہ وہ قسم جانتا ہے نہ عہد و پیمان کو سمجھتا ہے اگر میں اسے یہ کہوں کہ مجھے سمندر میں پھینک دے تو وہ بدفطرت شیطان مجھے پہاڑ پر پھینک دے گا۔ مولوی صاحبؒ نے پہلے دو اشعار کو دو مصرعوں میں ایسے ادا کیا ہے اور ساتھ ہی ایک گزرے ہوئے واقعے کا اضافہ کیا ہے۔ جس پر فردوسی کے شعر خاموش ہیں۔

سن حمزہؓ فرماوندا ایہہ کی کریں جفا
کی میرے احسان دا لگوں کرن وفا

یعنی امیر حمزہؓ نے دیو کی بات سن کے کہا یہ کیا زیادتی ہے دوسرے مصرعے میں اُس ظلم کا ثبوت دیا کہ میں نے تجھ پر احسان کیا، تجھے قید سے چھڑایا ہے اور پھر رستم کی طرح امیر حمزہؓ بھی سوچتا ہے۔

سوچ کرے جے کہاں میں مار اندر دریا
مارے اُپر کوہ دے میتوں ایہہ اٹھا

فردوسی کے دوسرے دو اشعار کا مطلب کتنا واضح طور پر ادا کیا گیا ہے۔اس طرح سارے اشعار میں فردوسی کا مطلب ادا کرنے کیساتھ ساتھ اپنی طرف سے اضافہ کرر ہے ہیں۔فردوسی نے اٹھارہ بیت میں یہ روایت بیان کی ہے۔مولوی صاحب نے چودہ اشعار میں اس سے زیادہ مطلب ادا کردیا ہے۔ کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی بلکہ بڑھائی ہے۔ایک مثال اور دیکھئے۔رستم دیو کو کہنا چاہتا ہے کہ مجھے پہاڑ پر گرادے تا کہ میں ٹکرے ٹکرے ہو جاؤں اور وہیں میری قیامت ہو جائے۔

بکو ہم زند تا شوم ریز ریز
بداں تا برآید زمن رستخیز

مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

میری ہڈی پسلی ہو جاوے گی چور
مفت ملے بن یار دے جند ہووے گی دور

فردوسی نے جسم ٹوٹنے پر بات ختم کردی ہے مولوی صاحبؒ ہڈیوں اور پسلیوں کو الگ الگ کرکے دکھاتے ہیں اور ساتھ ہی نزع کے وقت محبوب کا تصور سامنے لا رہے ہیں۔اب آپ دونوں ایرانی اور پنجابی شاعروں کے خالص جنگی شعر سنیں جوان دونوں کا اصل موضوع ہے۔یہیں شاعر کی کامیابی اور ناکامی کا پتہ چلتا ہے کیوں کہ رزمیہ شاعروں کا اصل کام جنگ کا نقشہ کھینچنا ہے۔(105)

فردوسی	غلام رسولؒ
ز لشکر بر آمد سراسر خروش	کافر مومن رل پئے ہویا دھندو کار
زمیں پر خروش و ہوا پر خروش	شور طنبور نقاریاں مول نہ سنے پکار
جہاں لرزو لرزاں شدہ دشت و کوہ	گرزاں زور و زور سی پئی وگے تلوار
زمیں شدز فعل ستوراں ستوہ	بندوقاں بے حد تے سیلے خون ہزار

درخش از درخش و گروہ از گروہ   نیزہ برچھی کاتیاں تیر خدنگ ہزار
گستہ نشد شب برآمد زکوہ   بارش گولی تیر دی ہوندی باجھ شمار
درخشیدن تیغہائے بنفش   گلیں کمنداں پیچ پا ساہ کرائے بند
اذاں سایۂ کادیانی درخش   سٹباں تلے عراقیاں شاہاں دے فرزند
تو گفتی کہ اندر شب تیرہ چہر   گھٹے نال زمین دے اک ہویا اسمان
ستارہ ہمی بر نشاند سپہر   کائی نظر نہ آوندا، انھا ہویا جہان
زمیں گشت جنباں چو ابرِ سیاہ   اک دوجے نوں ماردا انھے واہ تلوار
تو گفتی ہمی بر نتابد سپاہ   اپنا ہور پرایا نظر نہ آون یار
بلند آسماں چوں زمیں شد زخاک   خوف دلاں دے چک گئے، لتھا عزرائیل
زہر سو ہمی بر شدہ چاک چاک   روحاں اُڈ اُڈ جاندیاں آپے ول قندیل
دل کوہ گفتی بدرّد ہمی   سن کے شور بہادراں زمینوں نسے دیو
زمیں با سواراں بپرّد ہمی   اندر طبقے دھرت دے ہویا سخت غریو
زبس نعرہ نالہ کرنائے   خون وگے وچ دشت دے نہراں وانگ رواں
ہمی آسماں اندر آمد ز جائے   رُہڑدے سیس دلاوراں وچ خون رواں
چناں تیرہ شد روئے گیتی زگرد   دشت اخضر وچ ہو گیا میداں لالو لال
تو گفتی کہ خورشید شد لاجورد   ندیاں وگیاں خون تھیں فوجاں وچ وبال
بزد مہرہ بر کوہ از ژندہ پیل   گرزاں دی دھمکار تھیں زخمی ہوئے گوش
زمیں جب جنباں چو دریائے نیل   نعرے کیتے یلاں نے مغل پئے بے ہوش
زگردِ سواراں ہوا بست میغ   بدل گرد غبار دا برقوں چمکے تیغ
چو برق درخشندہ پولاد تیغ   باراں تیز رڑھاوندا مرداں باجھ دریغ
زجوش سوراں و آواز کوس   ڈھیہ ڈھیہ پوندے سورمے بیٹھ سماں چوپھال
ہوا قیر گوں شد زمیں آبنوس   گرز یلاں دی توڑ دی گردش دوش کوپال

تو گفتی زمیں موج کہ بر شد بدشت	دھس نیزے وچ سینیاں پشتوں پار چلن
زمیں شش شدہ آسماں گشت ہشت	زخم یلاں دے تناں تے لاٹاں وانگ بلن
زبس نیزۂ و گرز و گوپال و تیغ	نعرے مار دے جاندیاں اٹھن وارو وار
تو گفتی ہوا ژالہ بارد ز میغ	اک اک دے ہو جاوندے ٹکڑے چار و چار
زکشتہ ہمہ دشت آوردگاہ	ہو گھائل سکھ جیوڑے رووِن زارو زار
تن و دست و سر بودو ترک کلاہ	ہر ہر طرفے ہووندا نعرہ مارو مار
بجوشید دشت و بتوقید کوہ	وچ ہجوم افواج دے پھس ٹُھدے اندام
ز جوش سوارانِ ہر دو گروہ	راہ روکے تلوار دی نیزہ تیر تمام
تو گفتی کہ روئے زمیں گوش است	پھسن بازو وچ بازواں سینہ سینے نال
ز نیزہ ہوا نیز در جوش است	وچ اکھاڑے قتل دے کشتی بنی مثال
(106)	(107)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں شاعروں کے اُس زمانے کے ماحول پر ایک نظر ڈالی جائے۔

فردوسی جس ماحول میں شاہ نامہ لکھ رہا ہے لڑائی جھگڑے، بادشاہوں کے آپس میں ٹکراؤ، جنگی معرکے اس زمانے کے روزمرہ میں داخل تھے۔ بادشاہ نے شاہی محل کے قریب جو مکان دیا تھا اُس میں پورا جنگی سامان موجود تھا۔ علامہ شبلی نعمانی کے کہنے کے مطابق سلطان نے حکم دیا تھا کہ وہ مکان تمام ضروری سامان سے بھر دیا جائے۔ جنگی سامان، لڑائی کے ہتھیاروں، ایران کے بہادروں اور پہلوانوں کی تصویروں سے سجا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فردوسی کو فرصت تھی جو شعری یکسوئی کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ وہ فکر معاش سے فارغ تھا۔ اس سے بالکل برعکس مولوی غلام رسولؒ کی طرف دیکھتے ہیں۔ آپ کا ماحول انگریزی عہد کی وجہ سے خاموش اور پُر امن تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کوئی چھوٹی بڑی جنگ نہیں دیکھی اور اُن کے ذرائع آمدورفت بھی غریبانہ تھے۔ روزی کمانے کیلئے انہیں کبھی سکول میں بھی پڑھانا پڑا وہ غیر جنگی ماحول میں ضروری کاموں سے وقت نکال کر نو عمری میں اہم تصانیف کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں۔ اس تمہید کو الگ رکھ کر دونوں شاعروں کے اشعار پر ایک سرسری سی نظر ڈالنے پر ہمیں

دونوں کے جنگی اشعار کا کسی حد تک اندازہ ہوسکتا ہے۔ (108)

زمیں پر خروش و ہوا پر خروش
جہاں لرز لرزاں شدہ کوہ دشت
درفش از درفش وگروہ درگروہ
درخشیدن تیغ ہائے بنقش
دل کوہ گفتی بدرّد ہمی
زمیں با سواراں پَرد ہمی
زسمِ ستوراں درآں پہن دشت
زمیں شش شدہ آسماں گشت ہست

اب ہم فردوسی کے جنگی معرکے سے رخصت ہوتے ہیں اور مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے مسجد کے حجرے میں نظر ڈالتے ہیں جہاں بیٹھ کے انہوں نے جنگ نامہ لکھا۔ جب ہم اس میں بھی وہی رعب داب، دبدبہ، جاں بازی، جاں نثاری، جنگی معرکہ بازی اور گھسان دیکھتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی۔ بقول محمد عالم اس پورے بزمیہ ماحول کے ایک گوشے میں یہ خدا کا بندہ اکیلا ہی اپنی الگ دنیا بسا کے بیٹھا ہوا ہے جس پر ماحول کا بالکل کوئی اثر نہیں یہ اپنی دنیا کا خود ہی بادشاہ ہے اور خود ہی اس کا نظام چلا رہا ہے۔

ایک شعر بھی ایسا نہیں جسے پڑھ کر انسانی روح تڑپ نہ اٹھے۔ کون ہے جس کی رگوں میں جوانی کا خون ہے اور وہ یہ شعر پڑھ کے میدان جنگ میں جانے کیلئے بے تاب نہ ہو جائے؟ شاعر کی اس سے بڑی کامیابی کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے جادو بھرے الفاظ سے اپنے قاری کے دل و دماغ پر انقلاب پیدا کر دے اور اپنی راہ پر چلنے پر مجبور کر دے۔ صدیوں کی غلامی نے پنجابیوں کے دل و دماغ کو بدل دیا ہے وہ اپنے آپ کو بھول گئے ہیں۔ اسی طرح ہمارے ملک کے مذہبی علماء کا ایک طبقہ ہے جنہوں نے مذہبی درس گاہوں سے علم پڑھا ہے وہ پنجابی کو سکھوں کی زبان سمجھتا ہے کیونکہ سکھوں کی مذہبی کتاب (گرنتھ) پنجابی میں ہے۔ اُن کو یہ علم نہیں کہ وہ بھی پنجاب میں بستے ہیں اور اُن کی زبان بھی پنجابی ہے۔ انہیں

شایداس بات کی بھول ہے کہ مولوی غلام رسول عالپوریؒ جیسے فاضل انسان جو عربی، فارسی کے اجل عالم تھے وہ بڑی آسانی کیساتھ اپنی تصنیفات عربی، فارسی میں تحریر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی مادری زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ مدرسہ اور مسجد کی اس مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ پنجابی زبان کو ٹھوس کام کرنے والے نصیب نہ ہو سکے۔ پنجابی زبان پر ایسے لوگوں کی ٹھیکیداری قائم ہوگئی جو تعلیم میں تھوڑی بہت سدھ بدھ رکھتے تھے مگر ٹھوس علمی کام کے حوالے سے انہیں اَن پڑھ ہی کہا جا سکتا ہے ایسے افراد کے ہاتھوں میں پنجابی زبان کے بلند پایہ بزرگوں کی کتابوں کی اشاعت دی گئی اور وہ ان اعلیٰ پایہ لوگوں کی تصنیفات کی اشاعت کا حق ادا کرنا اور اُن پر پورے علمی عبور سے کچھ لکھنا تو ایک طرف رہا وہ ان کتابوں کو سمجھنے اور ان کی کتابت کی غلطیاں درست کرنے کی قابلیت بھی نہیں رکھتے تھے لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب کچھ پڑھے لکھے لوگ اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔(109)

احسن القصص کی خوبیاں

مسلمان پنجابی شعراء نے اسلامی تعلیمات کے زیر اثر مقامی زبان کو عربی فارسی الفاظ سے مالا مال کرنے کا کام جاری رکھا تاکہ مسلمان عوام دینی لحاظ سے زیادہ سمجھدار ہو سکیں اور دینی تعلیمات کو با آسانی سمجھ سکیں۔ یہ سلسلہ سلمان سعد مسعود سے لے کر باوا فرید، بلھے شاہ، وارث شاہ تک اور ہر ہر جانب جاری رہا اور مولوی غلام رسولؒ کی پنجابی شاعری اس لحاظ سے انتہائی مالا مال ہے۔ عربی الفاظ کو پنجابی روپ دینے میں مولوی صاحب بڑے ماہر ہیں۔ خمر طہوروں، عدم تکلف والیاں، قدر نعم تھیں، ہر معلوموں، ہر موجودوں، ہر ساجد مسجودوں، حمد چراغ دلاں تاریکاں، مشعل شب مہجوراں، وچ اقرار قصوراں وغیرہ یک جان ہو کر پنجابی زبان کا روپ دھار گئے ہیں۔ غالب اور اقبال نے اپنی اردو شاعری میں فارسی ٹکڑے نگینوں کی مانند لگائے ہیں۔ اس کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا۔ اس قصے کے لکھاریوں کی تعداد اسی سے زیادہ ہے ان میں سے کچھ شاعروں نے اس قصے کی جزئیات کو شعروں میں بیان کیا اور کئی شاعروں نے مکمل قصے لکھے۔ کئی شاعروں نے صرف قرآن حکیم میں بیان کئے ہوئے قصے کو تفسیر کے ذریعے بیان کرنے کا جتن کیا اور کئی شاعروں نے بڑی بڑی تفسیریں لکھ دیں ہیں مگر کوئی شاعر بھی اُس مقام تک نہیں پہنچ سکا جہاں تک مولوی غلام رسول صاحبؒ پہنچے ہیں اُن کی یہ شاہکار کتاب بے شمار خوبیوں کی حامل ہے اور اچھی شاعری کا نمونہ ہے۔ بلند پایہ اور سچی شاعری کی پہچان یہ ہے کہ وہ پورے طور پر ہمارے جذبات اور احساسات کی ترجمان ہو۔ جس شاعری میں یہ خوبیاں نظر آتی ہوں گی۔ اُس کو ہم اعلیٰ شاعری تسلیم کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری زندگی کی ترجمان ہوتی ہے اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ شاعری میں ہماری زندگی کا عکس ہونا بہت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے قصہ احسن القصص کی پرکھ کی جائے تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ قادر الکلام شاعر تسلیم کئے گئے ہیں اور انہوں نے قصہ احسن القصص کو مثنوی کی طرز پر لکھا ہے۔ مثنوی میں واقعات کا تسلسل اور ترتیب قائم رکھی جاتی ہے اور اس میں کردار نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے لکھاری کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ مختلف کرداروں کی خصوصیات کو سامنے لائے۔ اب

دیکھنے والی بات یہ ہے کہ مولوی صاحبؒ نے اپنی مثنوی احسن القصص میں ان اصولوں اور معیار کو کس حد تک نبھایا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عشق کی کہانی ہے۔ یہ خارجی حقیقتوں کے ساتھ ساتھ داخلی کیفیتوں کو بھی بیان کرتی ہے۔

مولوی غلام رسولؒ صاحب کی احسن القصص کے کتنے ہی پہلو ہیں جن کا احاطہ کرنا بڑا مشکل ہے اُن میں ایک پہلو تبلیغ اسلام کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے۔مولوی صاحب صرف شاعر نہیں بلکہ وہ بڑے کامل ولی اللہ بھی تھے۔ جہاں تک قصے کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ اس میں دو چیزیں سامنے رکھنا پڑتیں ہیں۔ ایک کردار اور دوسرا واقعات کی ترتیب۔ یوسفؑ زلیخا میں حضرت یوسفؑ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ان کے کردار کو پیش کرتے ہوئے یہ بات بہت ضروری تھی کہ ان کی شان میں کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ مولوی غلام رسولؒ نے کردار نگاری میں ایک فنی بصیرت سے کام لیا اور کردار کو اس طرح پیش کیا کہ اس کی زندگی کی علیحدہ علیحدہ کڑیاں' ذہنی انقلاب اور خارجی واقعات کا اس پر اثر ایک منطقی ربط میں اکٹھا ہو کر کردار کی فطری تشکیل ظاہر کرتا ہے۔اس طرح نہیں ہوا کہ مولوی صاحبؒ نے زبردستی غیر عقلی' غیر فطری یا نیم مذہبی توجیہہ سے کردار کے کسی خاص موڑ کو واضح کرنے کے لئے پیش کیا ہو۔اس طرح حضرت یوسفؑ کے کردار اور اس کے ساتھ ہی زلیخا کے کردار میں ایک تسلسل، ایک ربط اور ایک ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو الہامی قصے کی تہہ میں تو موجود تھی لیکن اس کو کھول کر بیان نہیں کیا گیا تھا مولوی غلام رسولؒ کھول کھول کر اور بدل بدل کر ایک ہی مضمون کو نئی نئی رعائتوں اور نئے نئے اسلوب سے پیش کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات اس ضمن میں یہ ہے کہ جہاں بازغہ یا زلیخا کا سراپا پیش کیا گیا ہے وہاں بھی جس طرح عام سراپا نگاروں کا طریقہ ہے اس کے برعکس مولوی صاحب نے کوئی شعر خلاف تہذیب یا عریاں نہیں لکھا حالانکہ سراپا لکھتے کے وقت اکثر شعراء کا دامن داغ دار ہو جاتا ہے۔ یہ بات کئی حوالوں سے اہمیت حاصل کر لیتی ہے کہ مولوی صاحبؒ کو حضرت یوسفؑ کے پیغمبری منصب کا بڑا احترام ہے۔ آپ کو یہ احساس بھی بڑی شدت کے ساتھ ہے کہ یہ ایک الہامی قصہ ہے اس لئے اس کو فحش باتوں سے پاک صاف رکھنا چاہئے۔ دائی کا سراپا اتنا خوف ناک ہے کہ پڑھتے پڑھتے کئی جگہ پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے مگر اس کے باوجود بھی اُس میں کوئی ننگے یا فحش شعر نہیں آئے۔ مشرقی شاعری میں قصیدہ اور مثنوی دو

ایسی اصناف ہیں کہ جن میں شاعر حکیمانہ متحرک اور مروجہ علوم اور فنون کا کھول کے ذکر کرتے ہیں اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو نظم میں بلندی اور شان پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف شاعر کے علم اور فضل کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ احسن القصص میں مولوی غلام رسول صاحبؒ نے بھی اس تکنیک سے کئی جگہ کام لیا ہے۔

مولوی صاحبؒ کی لکھی طویل حمد کو دیکھتے ہیں تو ہر شعر میں کوئی نہ کوئی الٰہیات کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے بہت سے علمی نکات وحقائق سامنے آتے ہیں۔ توحیدِ شہودی کی تشریح، مقام طنزیہ، حدوث وقدم کی بحث، وجود وعدم کے اسرار، الست وبلیٰ کا عہد، بارِ امانت، نفس، قلب، روح، خلق وامر، عرفانِ نفس، تنبیہ، اِنذاز نفسِ امارہ، سیر الی اللہ، نفی اثبات، وصفِ مذاقِ سلیم وغیرہ۔ اس قسم کے بیسیوں مسائل ہیں۔ جنہیں عمیق وبلیغ انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

علامہ عرشی امرتسری فرماتے ہیں کہ احسن القصص کے مطالعے سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شاعر بلند مرتبہ صوفی، فلسفی، متکلم اور مفسر ہونے کے علاوہ بہت سے علوم وفنون میں کافی دستگاہ رکھتا ہے۔ بلند علمی مضامین کی وجہ سے بعض شعراء اغلاق کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ عام ناظر تو خیر کیا سمجھیں گے خواص کو بھی ان کے معانی متعین کرنے میں دقت پیش آسکتی ہے۔(110)

دیباچے کی شرح

مولوی صاحب کی کتاب ''احسن القصص'' کا دیباچہ بہت مشکل ہے اس لئے یہاں دیباچے کے مشکل اشعار کو حل کرنے کی کوشش کروں گا۔ مولوی غلام رسول صاحبؒ بہت بڑے صوفی شاعر تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب میں تصوف کی کافی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیباچے کی شرح کرنے سے پہلے تصوف کی بعض اصطلاحات کی تھوڑی بہت پہچان کر دی جائے تاکہ پڑھنے والوں کو کتاب سمجھنے میں کچھ آسانی ہو جائے۔

اعیان ثابتہ:۔ اعیان عین کی جمع ہے اور ثابتہ ثابت سے نکلا ہے مطلب یہ کہ ثابت حقیقت۔ تصوف کی لغت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ صفات کے ظہور سے پہلے اشیاء کا جو نقشہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھا اُس کو اعیان ثابتہ یا صور علمیہ کہا جاتا ہے۔

اعیان خارجہ:۔ جب صفات کا خارج میں ظہور ہوا یعنی کائنات وجود میں آ گئی تو اس کو اعیان خارجہ کہا جاتا ہے۔ بعض صوفیا کے نزدیک یہ ظہور چھ مرتبوں میں ہوا۔ اس لئے اس کو تنزلات ستہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ ہستی کے تنزل بے شمار ہیں مگر شیخ اکبر ابن عربی اور اس کے ماننے والوں کے نزدیک سات ہیں۔ ان میں سے تین قدیم کے، تین حادث کے اور ایک جامع کل کا ہے۔ تنزلات کی تقسیم اس طرح ہے۔

قِدم اور وجوب کے مرتبے:۔ احدیت، وحدت، واحدیت، احدیت، احدیت۔ احدیت کو ذات بحت، ذات صرف بھی کہا جاتا ہے۔

وحدت:۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ کو جاننا سب تعینات کے تعین جامع کے طور پر یہ احدیت اور واحدیت کے درمیان برزخ ہے۔

واحدیت:۔ یعنی ذات کا متصف ہونا سب اعتبارات کے ساتھ ظہور اور سب اسماء صفات کا بطرز

اجمال۔

حدوث اور امکان کے مرتبے:۔

1۔روح 2۔مثال 3۔جسم

روح:۔وجود کا ظہور، روحی آثار اور احکام کے ساتھ وہ جواہر لطیفہ ہیں۔

مثال:۔ یہ حادث کا دوسرا مرتبہ ہے یہ ظہور ہے حق تعالیٰ کا آثار و احکام مثالیہ کے ساتھ۔اس مرتبے کو''عالم خیال'' بھی کہتے ہیں۔یہ برزخ ہے۔اس کو مطلق اور مفصل بھی کہتے ہیں۔

جسم:۔ یہ ظہور ہے حضرت وجود کا۔جسمی آثار اور احکام کے ساتھ۔

جامع کل:۔ یہ وجود ہے آثار و احکام عین مطلقہ انسانیہ کے ساتھ بس حضرت انسان آخری ظہور ہے۔ جامع اور مظہر سب مراتب کا اس کے بعد مرتبہ ظہور کا کوئی نہیں ہے۔

یقین کے درجے:۔

صوفیاء کے نزدیک یقین کے تین درجے ہیں۔

1۔علم الیقین 2۔عین الیقین 3۔حق الیقین

علم الیقین:۔ جب کوئی بندہ دھواں دیکھے تو اُس کو یقین ہو جاتا ہے کہ آگ ہے یہ علم الیقین ہے۔

عین الیقین:۔ جب کوئی بندہ آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے تو پہلے سے زیادہ اُس کو آگ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔یہ عین الیقین ہے۔

حق الیقین:۔ جو بندہ اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دے تو جلن محسوس کرے گا۔یہ حق الیقین ہے۔

سیر:۔ سیر کے معنی پھرنا ہیں۔جب سلوک میں سالک ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ سالک کو یہ محسوس ہونے لگے کہ وہ آسمانوں کے ظلال کا مشاہدہ کر رہا ہے تو اس مقام کا نام ''سیر الی اللہ'' ہے۔جب سالک اس مقام سے گزر کر یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ ذات الٰہی کا مشاہدہ کر رہا ہے تو اس مقام کو ''سیر فی اللہ'' کہا جاتا ہے پھر جب سالک اس مقام سے واپس ہوتا ہے تو اس واپسی کا نام ''سیر عَنِ اللہ'' ہے۔ پھر وہ عام انسانوں کی طرح اپنے کام کاج میں لگ جاتا ہے۔

فرق:۔ فرق کے معنی علیحدہ پن یا جدائی کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں فرق سالک کے اُس مقام کو ظاہر کرتا ہے جس میں اُس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں خدا سے جدا ہوں اور الگ وجود رکھتا ہوں۔

جمع:۔ جمع کے معنی ایک جگہ ہونا ہے۔ اصطلاحِ تصوف میں اس سے سالک کا وہ مقام مراد ہے جس میں اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں اور خدا ایک ہو گئے ہیں۔ مولوی غلام رسول جمع تفریق سے ایک مقام مراد لیتے ہیں۔ مقام جمع میں اللہ اور انسان ایک تھے۔ دنیا یعنی تفریق میں آنے کے بعد فرق پڑ گیا۔

کی آکھاں میں کتھوں آئی، آئی تے کرلائی
آپ مقام جمع تھیں توہیں دل تفریق وگائی

علم ظاہری:۔ ظاہری علم سے مراد عام علم ہے۔ مثلاً تفسیر، فقہ، حدیث اور علم الکلام وغیرہ۔

باطنی علم:۔ باطنی علم سے مراد وہ معرفت ہے جو صوفیانہ کوشش کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے یعنی خدا اور دنیا کا بلاواسطہ شہود حاصل کرنے کی کوشش۔

کشف:۔ لغوی معنے کھولنا ہے۔ باطنی نور کے ساتھ واقعات اور حقائق کے ادراک کو کشف کہتے ہیں۔ عام طور پر ذہنی علامات کے طور پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔

الہام:۔ دل میں کسی بات کے آنے کو الہام کہتے ہیں۔ اصطلاحاً یہ اولیا اللہ کے ساتھ منسوب ہے۔ اللہ کی طرف سے ہدایت کا حاصل ہونا جو ہدایت اس طرح ہوتی ہے وہ کوئی مصدقہ بات نہیں ہوتی اس واسطے اُس کی پابندی دوسروں کیلئے ضروری نہیں۔ مولوی صاحب کامل ولی اللہ تھے ان کا علم بے حساب تھا' سید روشن کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ (111)

ایہہ قلم سپرد میں ورگیاں نوں جند جہاں دی تیغ دیاں دھاریاں تے

ولی اللہ کا دنیا میں رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

گجھے نین جنہاں دے دل تے تیز کٹاریاں دھر دے
بے بصراں دے عشویاں دے ول کد اوہ نظراں کردے

تے غیراں دے سنوروں سڑ دے نفس ہوا دے بردے

کد غیراں ول جھات گھتن جے یار ہووے وچ گھر دے

صوفی ظاہری آنکھوں کو آنکھیں نہیں سمجھتے وہ عام لوگوں کو بے بصر یعنی بغیر آنکھوں کے سمجھتے ہیں اور یہ بات ہے بھی صحیح۔ مثلاً اگر ہم کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند کرلیں اور کوئی سوراخ بھی باقی نہ رہے تو ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہمیں جو بھی نظر آتا ہے سورج کی روشنی کے باعث نظر آتا ہے اصل دل کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ایک اور جگہ پر مولوی صاحب لکھتے ہیں۔

ایہہ ناں چشم نظاریاں لائق جس دی دھیری کالی

ایہہ خود فانی فانی دیکھے دیکھ رہے متوالی

اس لئے مولوی صاحب دنیا کے معشوقوں کو بے بصر شمار کرتے ہیں لیکن اگر یار گھر میں یعنی دل کے اندر ہی بستا ہو تو پھر کہیں اور دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

حمد کی تعریف

مولوی صاحبؒ کی شاعری عشقِ الٰہی کے گرد گھومتی ہے۔احسن القصص کا پہلا شعر ہی عشق سے شروع ہوتا ہے۔

مولوی صاحبؒ نے اس میں ایک جدید بات پیدا کی ہے یعنی خالق کائنات جو کہ تمام جہانوں کا رب ہے کی حمد سے پہلے خود حمد کی تعریف کی ہے کہ اس ذاتِ بے نیاز کے لئے جو حمد کی جائے وہ کیسی ہونی چاہیے۔

عشق بھنا، اخلاص نہلایا ، رنگیا رنگ شہودی

صِدق صفا دی آب ہوائیں پلیا وچ خُوشنودی

برگ و برگ ارادت ازلی نُور رچایا ہویا

محویت دے خمر طہوروں نشہ چڑھایا ہویا

افضل اطہر اکمل انور جیں وچ سب وڈیائیاں

عدم تکلف والیاں ندیاں جس تھیں وہندیاں آئیاں

ازل ازالی ، ابد آبادی ، حمد دوام دوامی
وچ دربار وجوب غنا دے ایہہ ہر سبز مدامی

(112)

ان اشعار کی شرح میں مختصر سا حاشیہ جو مولوی صاحبؒ کے اپنے قلم کا لکھا ہوا ہے۔

''ایں ہر سہ بیت ابتدا مع نصف مصرع از بیت چہارم بطرزِ تنسیق الصفات صفت است کلمہ حمد موصوف آں موخرا فتادہ است''

یعنی اوپر کی تمام صفات کا موصوف فقط ''حمد'' ہے جو آخر میں آیا ہے۔ مختصراً یہ سمجھئے کہ اللہ کی حمد میں مندرجہ ذیل صفات ہونی چاہئیں۔

1۔ عشق آمیز، شستہ، اخلاص اور توحیدِ شہودی کے رنگ میں رنگین۔

2۔ صِدق وصفا کی آب وہوا سے رضا کی فضا میں پروردہ۔

3۔ پتے پتے میں ارادتِ ازلی کا نور سرایت کیے ہوئے۔

4۔ شرابِ طہور کی محویت کے نشے میں سرمست۔

5۔ فضلیت، پاکیزگی، کمال اور نورانیت کی تمام خوبیوں سے متصف۔

6۔ جس میں تکلف وتصنع کا شائبہ تک نہیں۔

7۔ لا ابتداء اور لا انتہا حمد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

8۔ حضرت واجب الوجود کی بارگاہِ بے نیازی میں بہارِ جاودانی کی طرح۔

عجزِ حمد

آگے فرماتے ہیں۔

عجز کمال خُدا دے حمدوں ہر ذرہ اقراری
دم دم لکھ لکھ لوں لوں حمدوں تھکے نہ شُکر گزاری

(113)

کائنات کا ہر ہر ذرہ حمد خدا سے عاجزی کا معترف ہے۔ اگر ہر ہر رونگٹے میں لاکھ لاکھ زبانیں پیدا

ہو جائیں اور ہر دم حمد کرتے رہیں تو بھی حق حمد و شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

عجز ادراک

عرفان ذات کے متعلق عقول و افہام کی نارسائی کا ذکر پرانا موضوع ہے اور ہر شخص نے اس کو اپنے رنگ میں بیان کیا ہے۔ مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

حادث کیا قدیموں جانے جے لکھ اُڈے ہوائیں
وچ ڈب مریندیاں عقلاں حیرت دے دریائیں

حادث بہت پرواز کرنے کے بعد بھی قدیم کا ادراک نہیں کر سکتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت کے دریاؤں میں عقلیں غرق ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بقول سعدی ۔

چہ شب ہانشستم دریں دیر گم
کہ حیرت گرفت آستینم کہ قُم

کئی راتیں میں اس بت خانۂ عالم میں غرقِ فکر بیٹھا رہا۔ آخر حیرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر چونکایا کہ ''اٹھ کھڑا ہو۔'' (114)

بلندی کا احساس

مولوی صاحبؒ کو اپنے کمالِ فن کا پوری طرح احساس ہے۔ مولوی صاحبؒ کی لکھی گئی چٹھیوں اور احسن القصص کے چند اشعار میں فنی اصطلاحات اور احساس کمال کے اظہار کے نمونے ملتے ہیں۔

کدوں شعر دا قافیہ تنگ ساڈا، کدے بگڑ دا وزن مقدار ناہیں
تقطیع دے وچ میزان ٹلدا مطلع، حشو، عروض، کجدار ناہیں
وچ اکت معنی واحد قافیے دے سوچ دیکھ لے پیا تکرار ناہیں
ایہہ شعر شعور تھیں دور بھانویں لپّر سحر ہے، صرف اشعار ناہیں
نوک قلم دی چھان دی موتیاں نوں ایسا ابر نیساں گوہر بار ناہیں

(115)

نظم لڑی وچ لغت پنجابی موتی عشق پروواں
دن کائی وچ بحر برہوں دے داغ دلے دا دھواں
(116)

فرماتے ہیں۔

آ عشقا ہُن تیرا ویلا نوک قلم چڑھ رساں
پے چلیاں جگ تیریاں واراں کد توڑی چھپ وساں
چا طوفان قلم دا کائی رُڑھدیاں ہور رُڑھائیں
رووندیاں دی اکھیں وچ وی بیڑیاں تار دکھائیں
(117)

اور قاری کو مخاطب کرتے ہیں۔

اے ناظر کر غور وڈیرا دیکھ سخن دیاں لہراں
ایہہ گلشن بستان ارم تھیں شوق وگن وچ نہراں
ایہہ گلزار بہار عنایت کھلی لطف الٰہوں
عشق مؤثر نظری آیا درد بھری اس آہوں
پکڑ قلم بھر عشق النبا ورقاں وچ وگائی
رخت جلے وچ سوز برہوں دے دیکھ رہن سودائی
(118)

عاجزی کا اظہار

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ فرماتے ہیں۔

تَیں ہندے میں کِت ول جانواں ناہیں ہور ٹکاناں
جے تقصیروں میں پُر دامن ، غالب فضل ربّاناں

ایہہ گرداب اندھیر غماں دا ، دنیا نام سداوے
پور بھرے وچ بیڑے غرقن ، جے نہ بنے لاوے
میرے کار حوالے تیرے ، یا ستار غفارا
عدل کریں میں پکڑیا جانواں فضل کریں چھٹکارا
میں بندہ توں صاحب میرا انت نہ تیں وڈیایوں
رحمت تیری بہت زیادہ بندے دی بُریایوں
یا رب میری سرگردانی میریوں گئی شماروں
اک رحمت دا دارو تیرا روگ کٹے بیماروں
توبہ دی توفیق اسانوں، دیویں پاک الٰہا
در اپنے دا رکھ سوالی، ہر دم شاہنشاہا
(119)

جے میں بہت گناہ کمائے توں ہیں بخشنہارا
رحم کریں توں میرے اُتے تیں بن ناہیں چارہ
(120)

اے اللہ! آپ کے ہوتے ہوئے میں کہاں جاؤں۔ آپ کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ اگر میں سراپا تقصیر ہوں تو آپ کا فضل اس پر بھی غالب ہے۔ یہ مقام جسے دنیا کہتے ہیں، دکھوں اور تکلیفوں کا بھنور ہے جس میں انسان گھرا ہوا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کنارے پر بچا کر نہ لے آئیں تو کسی کی کشتی ڈوبنے سے بچ نہیں سکتی۔ اے عیب پوش! اے خطا بخش! میرا معاملہ آپ کے سپرد ہے۔ اگر آپ انصاف کریں تو میں سخت سزا کے لائق ہوں اور اگر آپ اپنے فضل و کرم سے نوازیں تو نجات کی امید ہے۔ میں آپ کا بندہ ہوں۔ آپ میرے آقا ہیں۔ آپ کی عظمت لامحدود ہے۔ آپ کی رحمت میرے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ نبیوں نے بھی الا احصي ثناءً عليك کہہ کر آپ کی تعریف سے اپنے عجز کا اقرار کیا۔

آپ کی کنہ کا ادراک وہ بھی نہ کر سکے۔ اے خدائے تعالیٰ آپ بے مثل ہیں۔ اے اللہ پاک! ہمیں توبہ کی توفیق دیجئے۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ ہمیں ہر وقت اپنے ہی دروازے کا سائل رکھیئے۔

علامہ محمد حسین عرشی کہتے ہیں کہ مولانا جامی جو اپنے تخلص کے اعداد کی مناسب سے 54 کتابوں کے مصنف کہے جاتے ہیں۔ ادبی لحاظ سے داستانِ زلیخا ان کے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ اس میں کئی مقام ایسے آتے ہیں جو اپنے حساس قاری سے اشک و آہ کا اخراج لئے بغیر نہیں رہتے۔ میں ان کی ''حمد'' کو مولوی غلام رسولؒ کی ''حمد'' کے سامنے رکھ کر دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ مولانا غلام رسولؒ کا پایہ بلند اور بہت ہی بلند ہے۔ آپ نے نہ صرف مسائل بیان کئے ہیں بلکہ مسائل کے اندر اہلِ حال کی سی لذت بھی رکھ دی ہے جو قاری کو اس عالمِ رنگ و بو سے نکال کر ماورائیت کے عالم میں لے جاتی ہے۔ اس کے ساتھ میں اعلیٰ اخلاقی درس اور تزکیہ نفس کی موثر تعلیم بھی موجود ہے۔ پنجابی زبان میں تصوف اور الہیات کا اتنا گراں بہا ذخیرہ کم از کم میری نظر سے آج تک نہیں گزرا۔ (121)

نعت

ہمارے داستان سرا شعرا کا زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حمد کے بعد نعت میں جوشِ عقیدت اور زورِ طبیعت کا اظہار کرتے ہیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ یہ مضمون جس قدر عام ہے اسی قدر اس میں مناسب احتیاط کا سخت فقدان ہے۔

علامہ عرشی نے نعت کے بارے میں فکر انگیز بات کی ہے لکھتے ہیں کہ نعت کے میدان میں بہت کم لوگ ہوشیار پائے جاتے ہیں۔ عام شعراء نے ''والضحیٰ چہرہ اور واللیل زلف'' کی قسم کی نعتیں کہی ہیں یا پھر احمد واحد کا صحیح مرتبہ و فرق سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اس کا نتیجہ عوامی اثر و عقیدت کی شکل میں نفسِ اسلام کیخلاف ثابت ہوا ہے۔ صحیح اور نفع بخش نعت وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جن کو مقام نبوت کے ساتھ پیامِ نبوت پر غور کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ سب سے بہتر اور صحیح ترین نعت وہ ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان مبارک سے ایک سائل کے جواب میں نکلی۔ جب آپؓ سے آنحضرت ﷺ کے اوصاف و اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا...... کَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن......

اس فقرے کی بلاغت کو کسی ترجمے میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ یوں سمجھئے کہ آپؐ اپنے اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے چلتا پھرتا قرآن تھے۔ اس سے بہتر اور صحیح تر نعت کوئی نہیں کہہ سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں جا بجا آپؐ ہی کی نعت پھیلی ہوئی ہے اور اس نعت پاک کا مصنف خود خدائے تعالیٰ ہے۔ (122)

مولوی غلام رسول بھی حضورؐ کی نعت کہتے وقت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور آپؐ کی شان میں احسن القصص میں جو نعت لکھی ملتی ہے وہ ایک ایسی تخلیق ہے جس کی شرح کیلئے کئی دفتر درکار ہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں

جوہر عرض وجود خلائق اصل اصول کمالی

امت خیر امم دا والی نام محمدؐ عالی

(123)

انہوں نے رسول اکرم کو جوہر عرض کہا ہے "عرض" کے معنی ہیں کسی چیز کا ظاہر ہو جانا۔ لغات القرآن جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۱۱۵۰ مرتبہ غلام احمد پرویز العرض کسی چیز کی چوڑائی کو کہتے ہیں (تاج العروس) اور گھر کے سامان اور مال و دولت کو بھی کہا جاتا ہے (قرآن ۳۳۔۲۴) راغب اصفہانی موجب "العرض" کے معنی "ناپائیدار" چیز ہیں (لغات القرآن صفحہ نمبر ۱۱۵۱ جلد سوم) اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو عرض کہتے ہیں تو چیز مخلوق ہوتی ہے گویا مخلوق عرض ہے اور کائنات مخلوق ہے، انسان مخلوق ہے، جن اور فرشتے مخلوق ہیں اور مولوی غلام رسولؒ (مرحوم) رسول اکرم کو جوہر عرض کہہ رہے ہیں تو گویا آپؐ کی ذات وہ جوہر ہے جس سے تخلیق کی ابتداء ہوئی اور اللہ والے اُس جوہر عرض کو "نور محمدیؐ" کا نام دیتے ہیں اور مولوی صاحبؒ نے جوہر عرض کے ساتھ وجود خلائق بھی کہا ہے جس سے بات اور واضح ہو گئی ہے اور ساتھ "اصل اصول کمالی" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے آپؐ کی ذات کو کمال درجے کی ذات تسلیم کیا ہے وہ ذات جو اصل اصول یعنی اصولوں یعنی جڑوں کی جڑ (Origin) ہے اور کمال کے مرتبے پر فائز ہے وہ ذات محمدؐ کی ذات ہے جو اس امت کا والی ہے جسے اللہ نے بھی سب اُمتوں سے بہتر امت

فرمایا ہے۔

پوری احتیاط ملحوظ رہے اور سیرت پاک سے ظلمت خانہ ہستی کے ہر گوشے کے لئے نور حاصل کیا جائے۔ ہم اس معیار پر مولوی غلام رسولؒ کو دیکھتے ہیں تو نہایت محتاط پاتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

رحمت نور جہان کھلارے ، مرضاں دلاں گوائیاں
ڈبدیاں جاندیاں کڈھ کرم تھیں ، بیڑیاں بنے لائیاں
گم گیاں نوں راہ وکھائے ، روگ کٹے بیماراں
تاریکی وچ چلدیاں تائیں ، ملیاں شمع ہزاراں
واگاں ول مقصود چلائیاں موڑ کراہوں اوویں
واہ سید ثقلین محمدؐ ، تر گئے عالم دوویں
پاون ہاریاں سب کجھ پایا ، منکر گئے ازائیں
احمدؐ باجھ نہ ہندی پیدا ، جنت نار کدائیں

(124)

آپؐ رحمتِ عالم اور نورِ کائنات تھے۔ آپؐ نے قلبی امراض کو شفا بخشی۔ اقوام عالم کی ڈوبتی کشتیوں کو ساحل نجات پر پہنچایا۔ گمراہوں کو راہِ ہدایت دکھائی، بیماروں کے روگ دور کیے، کفر و شرک اور اوہام و رسوم کی تاریکیوں میں گھری ہوئی دنیا میں بے شمار شمعیں روشن کر دیں۔ گمراہی کی وادیوں سے نکال کر صراطِ مستقیم کی طرف چلا دیا۔ مرحبا سردارِ دو عالم محمد ﷺ جس نے دنیا و آخرت دونوں ہی میں کامیاب کر دیا۔

عشق کی کیفیت

اس کے بعد مشہدِ عشق و رضا کے بلند مقام کی طرف دل کو ترغیب دے رہے ہیں۔

عشق بناں تن دشمن دل دا تے دل دشمن تن دا
ویری نال پیا وس ویری ، واسا خار چمن دا

عشق بناں دل مردہ غافل، کس گنتی وچ آوے
عشق دلاں نوں صِقل غماں تھیں کر شمشیر دکھاوے

(125)

عشق کے بغیر جسم دل کا اور دل جسم کا دشمن ہے۔ گویا دو دشمنوں کو ایک دوسرے سے پالا پڑا ہے، جیسے پھول کے ساتھ کانٹا۔

عشق کے بغیر دل موت کی سی غفلت میں ہے جس کا زندوں میں شمار نہیں۔ عشق دلوں کو لغو وفضول اندیشوں کے زنگ سے صاف کر کے تلوار بنا دیتا ہے۔

دیدہ ہور شنیدہ دے وچ ، جیڈک فرق جدائیاں
قالیاں حالیاں دے وچ ایویں حداں فرق لگائیاں

(126)

جس طرح دید اور شنید میں یقین وگمان کا سا فرق ہوتا ہے اسی طرح اہلِ قال اور اہل حال میں فرق اور حدود مقرر ہیں۔

عشق کرم دا قطرہ ازلی ، تیں میں دے وس ناہیں
اِکناں لبھدیاں ہتھ نہ آوے ، اِکناں دے وچ راہیں

عشق اللہ تعالیٰ کے بحرِ کرم کا ازلی قطرہ ہے جس پر کسی کا اختیار نہیں بعض وہ ہیں جو اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں لیکن حاصل نہیں کر سکتے اور بعض ایسے خوش قسمت ہیں جنہیں بلا طلب مل جاتا ہے۔(127)

کامیابی کا راستہ

جو لوگ منزل عشق میں کامیاب ہوئے ہیں ان کے خدوخال کے بارے میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کہتے ہیں۔

اس دنیا دی گردن اُتے قدم دھرے لنگھ جاوے
بحر طلب دے رُڑھیا جاندا لوکاں نظر نہ آوے

اب اس سالک راہ عشق کی استقامت کے بارے میں مولوی غلام رسول عالپوریؒ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔

جھال جھلے تلوار برہوں دی قدم نہ موڑ ہٹاوے
تیغ وگے پر پیر اگاہیں ، زخموں خبر نہ پاوے
وچ اڈیکاں وقت وہاوے ، وصل ملن دی تانگھے
گرد غبار امکانی سارا گزرے اکت الانگھے
پیوے گھول پیالے زہروں، مستی چڑھے سوائی
وجے تیغ کہے ''بسم اللہ'' ایہہ محبوب لگائی
عشق چنگا پر اوکھے پینڈے ، مرد ہووے دکھ جھلے
واٹ چلے دکھ پاون ویلے ، چپ رہے ، دم ٹھلے
(128)

تیغِ فراق کے وار پر وار سہتا جائے لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ یہاں تک کہ محویت عشق میں اپنے زخموں کا بھی ہوش نہ رہے۔ وقت اس کے انتظار میں صرف ہو اور تمنا اس کے وصال کی رہے۔ عالمِ امکان کو گرد و غبار سمجھتا ہوا ایک ہی چھلانگ میں عبور کر جائے۔ زہرِ عشق کے جام پر جام انڈھاتا رہے۔ مستی کی کیفیت بڑھتی ہی چلی جائے، سر پر تلوار کا وار پڑے تو ''بسم اللہ'' کہہ کر اس کا خیر مقدم کرے کہ یہ محبوب کی طرف سے ہے۔ عشق یوں تو بہت مزے کی چیز ہے لیکن یہ سفر سخت مشکل ہے۔ کوئی مرد ہی ہو تو اس کے دکھ اٹھائے۔ دکھوں کی یلغار میں سفر منقطع نہ کرے بلکہ صبر و ضبط سے چلتا رہے۔

علامہ عرشی رقمطراز ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم و ایقان اور عشق و عرفان کا ایک بحر ہے ناپیدا کنار اور مولانا کا قلم ماہی بحر کی طرح اس کی تلاطم خیز امواج کو چیرتا ہوا گزرتا جا رہا ہے۔ مطالعہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل علوم پر مصنف علیہ الرحمۃ وسیع نظر رکھتے ہیں۔ دینیات، الٰہیات، فلکیات، صنائع، بدائع، بلاغت، بیان و عروض، تاریخ، اصنافِ سخن، مدح و ذمِ رویا، موسیقی وطب وغیرہ۔ ان سب پر مزید چیز جو شعر کے جسم میں جان ڈالنے والی ہے وہ شاعر کا سوز و گداز ہے جو پڑھنے پڑھانے سے

حاصل نہیں ہوتا۔(129)

بقول مولوی غلام رسول عالمپوری

عشق کرم دا قطرہ ازلی ، تیں میں دے وس ناہیں

بقول محمد حسین عرشی مولانا غلام رسولؒ کا کلام اس دولتِ سرمدی کا لا انتہا خزانہ ہے، درد و اثر کے لحاظ سے تمام دنیائے شعر کی بہت کم تصانیف زلیخائے غلام رسولؒ کے مقابلے میں رکھی جاسکتی ہیں۔ یہ تو ہے ان کی خصوصیت لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ دوسرے مختلف مناظر کی تصویر کشی میں کامیاب نہیں ہوئے ہوں گے۔حق تو یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاایں جا است

ساری کی ساری کتاب ایک تسلسل میں مربوط ہے۔ایک ایک عنوان کے تحت بیسیوں سے لے کر سینکڑوں تک شعر کہتے چلے گئے ہیں لیکن نظمِ کلام میں کہیں جھول نہیں، روانی میں کمی نہیں، تکلف کا نام نہیں راہوارِ طبع ہے کہ تھمنا اور رکنا جانتا ہی نہیں۔ ہر عنوان کا آغاز ایسے اشعار سے ہوتا ہے جو سارے مابعد سے خاص ربط رکھتے ہیں۔انتخاب الفاظ اور شدت تاثیر میں تو مولوی صاحبؒ کا ثانی مشکل سے ملے گا۔ (130)

فلکیات

جب زلیخا یوسفؑ کو دوسری بار خواب میں دیکھتی ہے تو یہاں برجوں کے حوالے سے مولوی صاحبؒ اُس کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

رات اِکا اس اوہا جہی ، کالیاں زلفاں والی
خون بھرائے دامن والی ، وچ شفق دی لالی

ظالم دی اس قبروں آندی ، منگ ادھار سیاہی
تے اک دوش اپر لٹکائی کاہکشاں دی پھاہی

مینا کار حصار سماوے ، بھرے بروج بلائیں
روڑھے تول ترازو جوزا ، دلو بلا ہوائیں

جھڑیا رنگ شہاب شہب تھیں وسیا وچ دلاں دے
وچ بنات النعش سہاوے ، نکتیوں درو سہاندے

تیسرے خواب کی تمہید میں فرماتے ہیں۔

سعد سعود برسپت ساعت کھول سعادت والی
سٹ وچ لاٹ مریخ جلائی دفتر تھیں بدفالی
پڑھ آیت والشمس نصیباں خوابے شکل دکھائی
تیر عطارد تھیں چا واہے سدھ بدھ غماں گوائی
طالع سوم سخی ہو آئے نقش ٹٹا کیوانی
نیندر دے وچ سکر سمائی اوہ زہرہ پیشانی
(131)

کاہکشاں، حصار سماوی، بروج، ترازو، جوزا، دلو، شہاب، بنات النعش، سعد سعود، سعادت، مریخ، برسپت، ساعت، بدفالی، والشمس، عطارد، طالع نقش، کیوان، زہرہ۔ یہ برجوں اور ستاروں کے اسماء و اوصاف ہیں جن کا استعمال بتا رہا ہے کہ شاعر صرف شاعر نہیں بلکہ علم نجوم پر اُن کی گہری نظر ہے۔ اس مضمون کے اور بھی بہت سے شعر ہیں جن کے شرح و بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ (132)

موسیقی

زلیخا نے جو باغ بنوایا تھا اُس میں پرندے اپنی خوبصورت آوازوں سے موسیقی پیدا کرتے ہیں۔

ققنس نار برہوں دا جلیا ، دیندا خبر فراقوں
وقت نوای حجاز رہاوے ، لہذا صبر عشاقوں

بوسلیک ، صفاہاں ، کوچک ہور بزرگ عراقوں
زنگلیوں کر راست نغمہ ، پڑھے حسینی طاقوں

ان اشعار میں درج ذیل الفاظ جس سلیقے سے وارد ہوئے ہیں ان سے مولوی غلام رسولؒ کی اسرارِ موسیقی سے آگاہی ثابت ہوتی ہے۔ ققنس ایک ایسا خوش رنگ اور خوش آواز پرندہ ہے جس کی چونچ میں 360 سوراخ ہوتے ہیں اور ہر سوراخ سے ایک راگ نکلتا ہے۔ آسمان کے بارہ بُرجوں کے مطابق اس فن کے بارہ مقامات مقرر کیئے گئے ہیں۔ اباوے، حسینی، راست، حجاز، بزرگ، کوچک، عراق، صفاہاں، نوا، عشاقِ زنگلہ اور بوسلیک۔ ان میں سے ہر ایک متعدد نغموں سے مرکب ہے اور ہر ایک کا وقت اور موسم الگ ہے۔ جمال یوسفی کو سب نے دیکھا لیکن جو زلیخا نے دیکھا وہ کسی اور کو دکھائی نہ دیا۔ اس سلسلے میں ایک مصرعہ دیکھیے، جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

میں وچ آس تیری دی ہر دم نین دھرے سر انیاں

یعنی تیری امید وصال میں میری بیدار راتیں اور اشکبار دن اس طرح گزرے کہ گویا آنکھیں ہر وقت نیزے کی نوک پر رکھی ہیں۔ یہاں سعدی کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

ز دیدنت نتوانم کہ دیدہ بر بندم
گراز مقابلہ بینم کہ تیر می آید

ترجمہ: تیرے دیکھنے سے میں آنکھ بند نہیں کر سکتا۔ اگر چہ سامنے سے تیر آتا ہوا دکھائی دے۔

علامہ عرشی جن کو علامہ اقبالؒ نے پختہ کار کہا وہ کہتے ہیں کہ مولوی غلام رسولؒ کا مصرعہ شعر سعدی سے کتنا بلند ہے اس کے لئے شرح و دلیل کی ضرورت نہیں۔ (133)

سوزو گداز

سوز و گداز مولوی غلام رسولؒ کا خاص مضمون ہے۔ قاری و سامع کے سینے میں اگر پتھر کا دل نہ ہو تو وہ اس کتاب کے مطالعہ کے دوران میں بار بار اشک و آہ کی بھینٹ چڑھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شاعر کا اپنا دل درد و الم کا سمندر ہے جو کہیں بھی خشک ہونے نہیں پاتا۔ یہی چیز شعر کی جان ہے۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے: ''از دل خیزد و بر دل ریزد'' جس شاعر کے پاس یہ دولت نہیں اس کی شاعری جھوٹے نگوں کی مینا

کاری ہے۔وہ بے جان بت بنانے والا آزر ہے۔اس کی تخلیق اس کی زندگی ہی میں مردہ ہے۔اس کے برعکس دردمند دل سے نکلے ہوئے خونیں اشعار اپنی ابدیت سے شاعر کو حیاتِ جاوید سے ہمکنار کردیتے ہیں۔اردو میں کتنے ہی اساتذۂ فن گزرے ہیں جو میر تقی میر کے سوز و گداز سے بے بہرہ ہونے کے سبب صرف تذکروں کی زینت ہوکر رہ گئے ہیں۔

علامہ عرشی مولوی صاحبؒ کے بارے میں بڑی ذمے داری سے لکھتے ہیں کہ مولوی غلام رسولؒ کے ہم عصروں میں کوئی ان کی علمی بلندی اور سوز نگاری کو نہیں پہنچتا بلکہ قدیم شعرائے عالم کی صف میں بھی تلاش کرنے سے شاید ہی کوئی اس خصوصیت میں ان کا ہم پلہ نکلے۔حضرت غلام رسولؒ کے پیش رو حضرت ملا جامیؒ نے بھی دوسرے خواب کی داستان بیان کی ہے۔چند شعر ملاحظہ فرمایئے۔(134)

ہماں صورت کز اول زو برد راہ
درآمد با رخ روشن تر از ماہ
نظر چوں بر رخ زیبائش افگند
زجا برجست و سرور پاش افگند
زمیں بوسید کائے سرو گل اندام
کہ ہم صبرم ز دل بردی ہم آرام
بآں صانع کہ از نور آفریدت
زہر آلائشے دور آفریدت

ترجمہ:وہی پہلے خواب والا رہزن جمال دوسری مرتبہ چاند سے زیادہ روشن سامنے آیا۔جب اس کے رخِ زیبا پر نظر ڈالی،جگہ سے اٹھ کر سر اس کے قدم پر رکھ دیا اور ادب سے کہا،اے محبوب تو نے میرا صبر و آرام چھین لیا۔اس صانع کی قسم جس نے تجھے نور سے بنایا اور ہر آلودگی سے پاک رکھا۔تو اس حسن کے ساتھ کس خاندان سے ہے۔تو کس کان کا چمکدار موتی ہے۔تو معزز بادشاہ ہے،تیرا محل کہاں ہے؟

مولوی غلام رسول عالپوریؒ اسی مضمون کو بیان کرتے ہیں۔

سچ کلام صباحوں صادق صاف گہر دی آبوں
روشن نوروں شیریں شہدوں خوشبو ناک گلابوں
صدق بھری کذب تھیں خالی درد گواون والی
کون کوئی توں کہڑی کوٹوں کی تیں جنس نرالی

(135)

اس سوال کے ساتھ کوثر بیان کی تیز دھار بہہ نکلتی ہے۔

وسیں زمینے یا آسمانے چند ہوویں یا تارا
یا توں سورج یا توں بجلی یا توں گجھ نیارا
یا توں صرف برہوں دا شعلہ یا آہاں دیاں لاٹاں
یا توں داغ غماں دا روشن یا فرقت دیاں واٹاں

(136)

علامہ عرشی رقمطراز ہیں کہ میرے دل میں حضرت ملا جامیؒ کے علم وفضل، تجر دو تقدس اور اصناف تصانیف کی بے حد قدر ومنزلت ہے لیکن یہ قدر ومنزلت انصاف کی آنکھوں کو بند نہیں کر سکتی۔ حضرت غلام رسولؒ کے دریائے طبع کی روانی حکیم قاآنی کو مات کر رہی ہے اور خلوص دورِ سعدی کی غزل کو پیچھے چھوڑ رہا ہے۔ وہ مکمل شاعر ہے۔ ایسا شاعر کہ خود زلیخا کے سینے میں شاید اتنی آگ نہ ہو جو اس کے ترجمان، حضرت غلام رسولؒ کے پہلو میں بھڑک رہی ہے۔ ان کی فریاد اتنی فطری ہے کہ وزن وقافیہ کی قید میں ہو کر بھی بے قید ہوئی جاتی ہے۔ ان کے الفاظ تڑپ رہے ہیں۔ ان کے مصرعے جل رہے ہیں۔ شعروں سے دھواں اٹھ رہا ہے، شعلے نکل رہے ہیں۔ خدارا انصاف! مخدوم اساتذہ جامیؔ کے ہاں یہ آتشنا کی کہاں ہے؟ (137)

مولوی غلام رسول عالپوریؒ کی زبانی زلیخا کے تیسرے خواب کی تمہید کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

ہن ساقی بس کریں شرابوں دے اک جام گلابوں

ملے آرام خمار عذابوں ، مستاں حال خرابوں

مولوی غلام رسولؒ آگے فرماتے ہیں۔

کھول اکھیں دم کائی پھر ، مڑ دیکھ لون جگ وسدا

گزریا درد حساب کتابوں ، یار ملے ہن ہس دا

صبر کی تلقین

کوئی بھی اعلیٰ مقصد صبر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بے صبری، غیر مستقل مزاجی، عدم ثبات تلون سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قدرت ہمیں صبر کی اعلیٰ تعلیم دیتی ہے۔ اس کا ہر کام جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی کن فیکونی صنعت سے آشکار ہوتا ہے وہ بھی ایک ہی لمحہ میں پیدا نہیں ہو جاتا۔ بیج کو درخت بنتے اور ثمر کی منزل تک پہنچتے کتنی دیر لگتی ہے۔ نطفے کو جنین اور جنین کو طفل، پھر بالغ پھر پیر تجربہ کار بننے کیلئے کتنی مدت کی ضرورت ہے۔ یہ کراتِ سماوی، چاند، سورج، تارے کون جانتا ہے کہ ان کو اپنی موجودہ منزل تک پہنچنے میں کتنے لاکھ، کتنے کروڑ اور کتنے ارب برس یا صدیاں صرف ہوئیں۔ کرنے والا یقیناً ایک ہی لمحے میں سب کچھ کر سکتا تھا لیکن اس کی حکمتِ بالغہ نے تعمیر کائنات میں تدریج ہی کو پسند کیا۔ (138)

جوش بیان ملاحظہ فرمایئے۔

جوش نہ گھلے ، آہ نہ چھٹے ، اُکھڑ قدم نہ جائے

عاشق تے اندھیری جھلے ، ذرا نہ جنبش کھائے

ڈول نہیں رکھ قدم ٹکانے ، جھل زلیخا پیاری

ایہہ بھی دیکھ نہ رہسی آخر دکھ نہ درد ، خواری

(139)

ہر مصیبت کا آخری اور قطعی علاج صبر ہے ۔

صبر بناں دکھ جاوے ناہیں ، صبر دکھاں دا دارو
صبر بناں وچ مشکل ویلے ، ہور نہ کائی واہرو

لیکن مولوی صاحبؒ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ عاشق کے دل میں صبر اور چھلنی میں پانی ٹھہر نہیں سکتا۔اب دائی کی نصیحتوں کے بعد زلیخا کے تاثر کی ترجمانی فرماتے ہیں ۔

سن کر صبر زلیخا بیٹھی ، پر کجھ ساعت ادھی
عاشق صبر دلے وچ ایہا ، پنڈ ہواؤں بدھی
(140)

جیسے ہوا کو کپڑے میں باندھ کر گٹھڑی نہیں بنایا جاسکتا۔ایسے ہی عاشق کے دل میں صبر نہیں آسکتا۔اس سے آگے اور بھی نادر تشبیہہ دیکھئے ۔

عاشق دے دل صبر اویہا ، جیوں پانی وچ جالی
پا بھیرا ڈُھلدا جاسی ، نظر پویسی خالی
عشق صبر وچ وَیر پرانا ، مُڈھوں بغض لڑائی
عشق جتھے اُتھ صبر بے چارا دخل نہ رکھدا کائی
عشق ستمگر تیغ فولادی ، صبر سمن دی ڈالی
انت کداں تک انہاں لڑائی ، قہر قضیاں والی
(141)

شرک اور توحید

ردِ شرک اور تبلیغ توحید کے وقت بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحبؒ کا دل سینے سے نکل کر کاغذ پر آ رہا ہے۔کتاب کے آغاز سے چل کر متن داستان میں جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے اپنے اس ذوقی فرض کو ادا کرتے جاتے ہیں۔زلیخا اپنے معبود بت کو لئے ہوئے یوسفؑ کی راہ میں منتظر ہے۔ یوسفؑ بلند مراتب پر پہنچ چکے ہیں اور وہ اپنے مرتبہ اور خوبصورتی وشباب کو کھو چکی ہے۔(142)

زلیخا کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے اور وہ اپنے پتھر کے خدا سے کہہ رہی ہے

اے بت ظالم تیرے کولوں میں کجھ نفع نہ پایا

توں وٹا جڑ پٹا ظالم ، بہہ گھڑیا بدکاراں
کس پہاڑوں چک لیاندوں ، بت سازاں مرداراں
آپ وٹا توں جندوں خالی ڈگیا اُٹھ نہ سکیں
طالع میرے جاں گھر آون وچ بکے جا ڈھکیں
میں بھلی کیوں پوجیا تینوں ، عمر گئی سڑ سڑ کے
توں وٹا وچ چھاتی لگوں ، زخم تیرا دل رڑکے
(143)

مقصودوں توں آپے خالی ، سب تھیں آپ نکارا
ڈُب مرے جو تینوں جانے ، مقصد دیون ہارا
تیشے نال چھلے تُدھ پاسے ستھے نک بنایا
کناں دے وچ سُننے کارن کیوں نہ چھیک رکھایا
سجدہ کرے جو تیرے تائیں یا تے توڑ گواوے
غصہ خوشی نہ تیں وچ آوے فرق نہ تُد دساوے
(144)

زلیخا اپنے ساتھ اپنے پتھر کے رب کا تقابل کر رہی ہے

تینوں رب رہی میں کہندی ، عقل قیاسوں ہاری
میں وچ جان ، تے تیں وچ ناہیں ایہہ نا سمجھ وچاری

احسن القصص میں بہت سے اشعار میں شرک کی برائیاں بتائی گئی ہیں اور بہت سے اشعار میں

معبودِ برحق اور معبودِ باطل کا تقابل دکھایا ہے۔(145)

چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

یوسف دا رب قدرت والا ، سچ یقینوں پایا
جس بردے نوں تخت بہایا ، سر تے تاج رکھایا
یوسف دا رب سب تھیں چنگا ، خلق اُپاون ہارا
توں میرا رب سب تھیں مندا ، کم گواون ہارا
یوسف دا رب حاضر ناظر ، آس پجاونہارا
توں میرا رب چکے باجھوں کتے نہ جاون ہارا
یوسف دا رب سُن فریاداں درد اٹھاون ہارا
توں میرا رب گنگا بولا مغز کھپاون ہارا

(146)

یوسف دا رب رُڑھدے بیڑے بنے لاون ہارا
توں میرا رب تردیاں تائیں غرق کراون ہارا

مولوی غلام رسول نے توحید کی تبلیغ خوبصورت انداز میں کی ہے۔

نور ورہے جیں عشقوں سینے حال کہاں کہیہ گزرے
گزر امکانوں وگن اشارے معذوروں وچ عذرے
توں شیشے وچ دریا وگیں جوہر ہیں اوہ کاری
جیں وچ کل مطلوب جگت دیاں نوری لہراں جاری
توں قائم جس جندوں غافل صورت تس نہ کائی
وس تسے وچ جاری ہر شے توں اپنے وچ پائی
وحدانیت حق بدیہی ملے شہود کمالوں
توڑ صور دی بند جو ناہیں حاجت استدلالوں

لبھ اوہا جیں کجھ نہ صورت نقصوں نام نہ عیبوں
میٹ اکھیں دل کھول دو ساعت راز کھلے کجھ غیبوں

(147)

یہ بات اللہ تعالیٰ اورانسان کے تعلق کے بارے کی جارہی ہے۔لیکن ساتھ ہی خیال آ گیا کہ شاید کوئی وحدت الوجود کی آڑ میں وحدت الشہود کو بھی وہی معنے پہنانے لگے جو مولوی صاحبؒ کی نظر میں درست نہیں تھے۔

تے نہ لازم کریں خدا تے حکم منافی شانوں
شرک کفر دا نام نہ اوتھے جتھے نور ایمانوں

(148)

مولوی صاحبؒ خالص توحید کا سبق دے کر آگے بڑھتے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ یاد کرانا نہیں بھولتے کہ زبانی جمع خرچ کیئے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نظام عدل

یوسفؑ نے جو نظام عدل قائم کیا وہ اس زمانے میں ایک مثالی نظام تھا۔بادشاہ یا حاکم کے لئے سخت امتحان کا وقت وہ ہوتا ہے جب زمین پر آسمانی رحمتوں کے دروازے بند ہو جائیں۔اگر ایسے وقت میں وہ اپنی رعایا کی خبر گیری اور اچھا انتظام کر سکا تو وہ اپنے عہدے کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔صرف امیروں اور جاگیرداروں کے مفاد کی حفاظت کسی حکومت کے باقی رہنے کی ضمانت نہیں ہو سکتی۔کثرت ہمیشہ عوام کی ہوتی ہے۔ان میں سے ہر ایک فرد کی جائز ضروریات اُن تک پہنچانا ایک عادل حکومت کا فرض ہوتا ہے۔حکومت شب روز خدمت کا نام ہے۔حضرت مولوی غلام رسولؒ انسانیت کی اس اہم ضرورت سے بھی غافل نہیں۔مولوی صاحبؒ جب مصر پر یوسفؑ کے تسلط کا ذکر کرتے ہیں تو تاریخ کے اس باب کا موثر نقشہ کھینچتے ہیں۔عوام کی مشکلات کا ذکر کر کے یوسفؑ کی فراست،عدالت،سخاوت اور سیاست وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔(149)

چند شعر ملاحظہ فرمایئے۔

ایڈک کال جگت وچ دھانا ، ہتھ نہ آوے دانہ
طبق زمیں وچ لبھے ناہیں ، باجھوں مصر ٹکانہ

(150)

اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ ضرورت مندوں کے ہجوم میں بھی ماتھے پر بل نہ آئے ۔

خیر کرے خیراتاں ہتھیں آپ طعام کھلاوے
شور جہان رہے تِس گردے ، متھے وٹ نہ پاوے

(151)

ریاست میں عدل و انصاف مہنگا نہ ہو، اس کے حصول میں دیر نہ کی جائے۔غریب عوام کی ضروریات اور کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے ۔

ہوراں نوں اوہ آپ کھلاوے، کھاندا نظر نہ آوے
کرے عدالت دن تے راتیں نیند نہ اس نوں بھاوے

(152)

رشوت،سفارش اور ظلم وزیادتی نہ ہو ۔

سکھیں ملک وسایا سارا ، ظلموں رسم ہٹائی
اسیں نہ سنیا دیس مصر دے ظلم کنندہ کائی

(153)

جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہو وہ صحیح سوچ فکر و عمل کا مالک ہو تو اس کے تحت تمام محکمے صحیح کام کرتے ہیں اس طرح پوری ریاست میں امن و خوشحالی ہوتی ہے ۔

رہزن ، چور نہ ٹھگ مکاری ، ملک امن وچ سارا
دیس سبھے مہمان اسیدا صدقیوں کرن گزارا

(154)

سربراہِ مملکت میزبان کی پوزیشن میں ہوتا ہے اور عوام الناس اس کے مہمان ہوتے ہیں۔جس

طرح مہمان فکرِ معاش سے آزاد ہوتا ہے اسی طرح رعایا کو اس فکر سے چھٹکارا ملنا چاہیے۔لوگوں کی اہلیت کے مطابق روزگار مہیا کرنا اور عوام کا تحفظ کرنا حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔بچپن، جوانی، بڑھاپا، بیماری وغیرہ حالات کے مطابق ضروریات مہیا کرنا حکومت کا فرض ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی کو بے ایمانی، ذخیرہ اندوزی وغیرہ ناجائز ذرائع کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوگی۔(155)

تقوے وچ امانت پورا ہر ہر نظری آیا
شاہ عزیز کیائی چنگا جس دا عالی سایا

خلقاں وچ سیاست اس دی تے الفت وچ جاناں
اس وچ نقص نہ ڈٹھا کائی ، کہے پکار زماناں

نیویاں اکھیں خوف الٰہوں دل پُر رحم کرم تھیں
جے کو کرے زیارت اُسدی ، چھٹے درد الم تھیں
خُلق حلیم کریم طبع دا ، عقل فراست بھاری
جے مسکین پوے تِس نظرے پچھے حالت ساری
(156)

شاھی دربار کے آداب کا بیان

حضرت یعقوبؑ کے خاندان میں قحط کی وجہ سے مفلوک الحالی ہے وہ اپنے بیٹوں کو جب غلہ لینے کیلئے مصر روانہ کرتے ہیں تو اُن کو شاہی دربار کے آداب سکھاتے ہیں بیٹے اُن سے سوال کرتے ہیں کہ ہم بادشاہ سے اپنا حال کیسے بیان کریں اور اپنا تعارف کیسے کروائیں تو حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں۔

اوّل جاں لگ اِذن نہ ہووے وچ حضور نہ جایو
اِذن ملے تے حاضر ہویو ، پر کجھ ناہ الایو
وچ دربار کھڑے ہو ادبوں چپ رہیو ہو سارے
آپس اندر گل نہ کریو ، جاں ہو سو دربارے

لانبھے کتے دھیان نہ کریو رہے نظر ول شاہے
مکدی گل سنائیو تھوڑی جاں اوہ پرسش چاہے
جداں اجازت ملے مڑن دی پھیر نہ عرض الایو
وَل سُلطان نہ پشتاں کریو، پچھلے پیریں آیو

(157)

مولوی صاحبؒ کامیابی کا ایک ایسا اصول بتاتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جس پر عمل کر کے دنیا میں اور آخرت میں ہر جگہ کامیابی مل سکتی ہے۔

بے ادباں مقصود نہ حاصل تے درگاہ نہ ڈھوئی
تے منزل مقصود نہ پہنچا ، باجھ ادب تھیں کوئی

(158)

عبرت

کتاب میں جگہ جگہ اس مضمون کے اشعار بکھرے ہوئے ہیں۔ مولوی صاحبؒ اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہیں۔

جے تُدھ قدم غلام رسولا ! اٹک رہے ادھواٹے
ضائع گیوں ، گئی تُد ہتھوں ، سرمایہ وچ گھاٹے
رو ظالم کِت کارے آیوں، کرنے نوں کجھ کائی
سودائی ایہہ حال کیائی لکھ پناہ کمائی
غفلت چھوڑ نہ اجے تکیندوں ، گئی بضاعت ساری
دم دے دمیں لیکھا پوسی ، وچ خسارت کاری
میٹ اکھیں ، کِت وہنے رُڑھیوں طعم نہنگاں ہوسیں
چشم اُگھاڑ ، کویلا ہوندا ، مت ویلا چھل ، روسیں

(159)

جب ہم تاریخ کے ماضی اور حال پر نظر ڈالیں تو غیر معمولی دل و دماغ رکھنے والے بندوں سے

انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن بڑے سے بڑا حکیم اور فلسفی بھی اس بھید کے چہرے سے پردہ نہیں اٹھا سکا کہ ایک جینئس کس طرح بن جاتا ہے اپنے اردگرد کی دنیا سے اتنا اونچا کس طرح ہو جاتا ہے اور اُس کے زمانے کے لوگ اُس کے خیال اور فکر کی اونچائی کو ہضم کرنے سے بھی خالی ثابت ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی خدائی قابلیت کے زور پر اپنے ہر طرف کی دنیا کو قائل کر کے اپنے پیچھے چلنے کیلئے مجبور کر دیتا ہے اُس کی خوبیوں میں وقت گزرنے کیساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخری حدوں کو ٹکرانے لگتی ہیں وہ اپنے تاثرات اور نقش کی دنیا پر اس طرح چھاپ لگا جاتا ہے کہ زمانے کے انقلاب جو بڑے بڑے بادشاہوں کے نام و نشان مٹا دیتے ہیں ایسی ہستیوں کو نہیں مٹا سکتے۔ مولوی صاحبؒ علم دانی کے مالک اور ذہین انسان ہیں اور بلاشبہ اللہ کے شاگرد تھے۔ اُن کی شاعری آمد ہی آمد ہے آورد بالکل نہیں آمد کے سرے الہام سے ملتے ہیں اور یہی الہامی پن انہیں مقبول عام کی سند دیتا ہے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے اشعار میں ہجر و فراق کے شعلے اور درد و گداز کی تپش ہر انسان کے اندر کی آواز ہے۔ کہتے ہیں سب سے اعلیٰ شعر وہ سمجھا جاتا ہے جسے ہر بندہ یہ سمجھے کہ یہ اُس کے دل کی آواز ہے لیکن ہر کوئی دل کی اس کیفیت کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ قدرتی شاعر اسے الفاظ میں بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہی اُس کی مقبولیت کا بھید ہے ہر بندہ اسے اپنا ہمراز پاتا ہے۔ مولوی صاحبؒ اپنے علم و فضل، ذہنی گہرائی، فکری بلندی اور علمی وسعت سے پنجابی شاعری کی پوری دنیا میں بے مثال شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں جدت، ندرت اور اختراع کی خوبیاں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ غیر معمولی دل و دماغ کے مالک تھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے انہیں وہ دل ملا جس میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

خودی کا سبق

علامہ اقبال کو خودی کے جدید تصور کا بانی کہا جاتا ہے لیکن مولوی غلام رسولؒ کی کتاب احسن القصص میں راز کھولنے کی کوشش کی گئی۔ انسان کو اُس کی خودداری کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔

توں وچ خودی خودوں چھٹ وگیوں خود تھیں خبر نہ پائی
پھسیاں چھوڑ اُڈیندیاں دے ول جھاک ایانیاں لائی

سب کجھ مالک دیتا تینوں تے توں سب کجھ پایا
جو توں آپ تے اپنا پایا دیکھ کتھوں ہتھ آیا
جہاں شیاں دا خواہاں ہویوں سب تیرے وچ آیاں
فقر غنا تیرے وچ وسدا وچے نور صفائیاں
پائے نوں ان پایا جا تو ، مڑ مڑ پویں کراہیں
ہر پایا ان پایا تیرا جے اک پایو ناہیں
(160)

اورآخرانسان کواُس کی خودی کی پکی یاد ہانی کراتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لازم جہل فنا نوں آیا جاں ایہہ پاویں ناہیں
سب پرواز تیرا وچ تیرے خود یوں جاویں ناہیں
(161)

یعنی تیرے اندر تکبر نہیں ہونا چاہئے۔خود داری ضرور ہونی چاہئے۔تو اپنا آپ پہچان اور اپنے آپ کو اتنا گھٹیا اور حقیر نہ سمجھ تکبر تجھے رب کا باغی بناتا ہے جبکہ رب سے یاری جوڑ کر زندگی نبھانا اور ہمیشہ کی زندگی پانا ہی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

انسانی عقل اور خدا

عقل اور عشق بارے علامہ صاحب کا ارشاد ہے

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

اب آپ ذرا غور کریں کہ یہ بات مولوی صاحبؒ نے کس انداز میں کہی ہے۔

عادت عقل ڈراڈی وگناں تے توں نیڑیوں نیڑے
خود تھیں نیڑے عقل نہ پاوے تے نہ راز نکھیڑے
(162)

یعنی عقل دور سے ہی اندازہ لگاتی ہے قریب نہیں جا سکتی کیونکہ وہ محدود ہے جبکہ اللہ کی ذات لا محدود ہے عقل کے مقابلے میں عشق کی پرواز بڑی دور تک ہے اُسے حضوری کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ عقل اللہ کو پا نہیں سکتی۔ کیونکہ اللہ عقل میں سما نہیں سکتا۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کہتے ہیں کہ عقل یہاں بیکار ہے۔ صرف تیرے فضل سے بیڑے پار ہیں توبہ کی توفیق بھی صرف تو ہی دے سکتا ہے۔

عقلاں دی اتھ پیش نہ جاوے جے لاون لکھ واہاں
اتھ عاقل بے عقل تمامی رہن سکھے وچ راہاں
عقل خیالوں وہم گمانوں تیریاں صفتاں عالی
خالق مالک جان جہاں دا توں عالم دا والی
(163)

عرفان کی گرمی سے مولوی غلام رسول کا یہ حال تھا کہ

اسیں بھید سارے کھول وسدے ہاں جدوں سکدے درد سہار ناہیں

کیونکہ اللہ کے رازوں سے واقف ہو کر اُن کو برداشت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ دنیا میں سب سے بڑے حوصلے والے مبلغ تھے جب آپ کو ''الم نشرح'' کی سوغات ملی تو اُس کے وزن کو رب نے بھی تسلیم کیا اور فرمایا۔

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا تیرے لئے؟ اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ی تھی اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا''

یہ ذمہ داری بڑی مشکل ہوتی ہے یہ وزن معمولی نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم سراپا تبلیغ ہے۔ اس بارے ارشاد فرمایا۔

''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل فرما دیتے تو تم اس کو دیکھتے کہ وہ دب جاتا' پھٹ جاتا اللہ کے ڈر کی وجہ سے' اور یہ مثالیں ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں اور سمجھیں''

اور مولوی صاحبؒ اس ربانی فیض کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

بھر بھر دیوے ذوق پیالے ساقی نور قدم دا
ہر دم ذوق شہود سجن دا توڑے نقص عدم دا
زور و زور شہود تیرے دیاں میں ول چمکاں پئیاں
جیوں جیوں میٹھیں صفتاں میریاں فانی ہندیاں گئیاں
نور ورھے جیں عشقوں سینے حال کہاں کیہ گزرے
گزر امکانوں وگن اشارے معذوروں وچ عذرے
(164)

عرفان و تصوف

یہ جواہرات یوں تو آپ کو ساری کتاب میں نظر آئیں گے دراصل یہ قصہ اتنا خوبصورت ہے کہ قرآن میں اسے احسن القصص کا نام دیا گیا ہے اس میں بے شمار بھید کی باتیں ہیں الٰہیات اور تصوف کے بہت سے نمونے ہر جگہ نظر آتے ہیں۔(165)

یہاں چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں

یوسفؑ نال ہوئی پر لُوں لُوں خودیوں گئی تمامی
ہن آرام نہ جاپے اس نوں اندر بے آرامی
جان دلوں ہن خبر نہ کائی ، تن دل نظر نہ پائی
کھاون پیون آون جاون ، اس نوں خبر نہ کائی
(166)

مولوی صاحبؒ اپنے دل سے مخاطب ہیں۔

ایدوں پرے کیائی اے دل ، درد مندی دیاں واہاں
حیف ایہی دل غیراں جاون وگ دیاں اجے نگاہاں
مر ظالم ایہہ عشق زناں دے تے فانی دی یاری
جاں صورت وچ ایڈک جلوے ، معنیاں کیڈ خماری
جاں جاں ات مقام نہ پہنچے طلبوں صبر نہ آوے
تے اُتھ جو کجھ حالا گزرے ایہہ نہ لکھیا جاوے
(167)

ہن اتھ طالب رجے ناہیں نہ منزل سر آوے
چھوڑ کنار زمان مکاناں دیکھے جو دساوے

ان اشعار کی شرح اہلِ حال ہی کر سکتے ہیں اور اہلِ حال ہی سمجھ بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ آخری شعر میں مولوی صاحبؒ خود اپنے قلم کو اس مضمون کی تحریر سے واپسی کا مشورہ دے رہے ہیں۔

مڑ وگ اجے قلم کجھ رہندا ودھ ودھ جا نہ مولے
دعوے ایڈ پلپے دم کھوٹے ، کد صراف قبولے

ایک مقام پر زلیخا کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

ایہا حال رہیا جگ ویتے پہتا عشق ٹکانے
خاص مقام فنا دا ہویا ایہہ ، زلیخا بھانے
بالمحبوب بقا وچ آئی ، تے اوہ خودیوں فانی
سن غیراں خود عشق جلائی ، لاٹاں بھکھن نہانی
سیر الی المحبوب تداں نوں ختم گیا ہو سارا
فی المحبوب سیار ہویائی ہن دل دا ورتارا
سیر عن المحبوب پکارے جاں کلی دل آوے
بالمحبوب اجے بھی اوویں ، خود نوں کدی نہ پاوے
(168)

مولوی غلام رسولؒ وحدت الشہود کو ماننے والے صوفی شاعر ہیں۔ زلیخا کے حوالے سے راہ سلوک اور تصوف میں فنا اور بقاء کی منزلوں کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں۔

فنا کی منزل

جاں نشتر فصاد وگاوے قطرہ خون جو آوے
پوے زمیں تے یوسف یوسف ہر جا لکھیا جاوے
اکھیں میٹ رہے یا کھولے دسے یار مدامی
تے خود اس بت خانے وچوں نکل وگے تمامی

پہلا سیر تمام ہویائی جس وچ سختیاں پائیاں
تے ایہ منزل مقصد والی گئیاں دور جدائیاں
(169)

مجاز سے حقیقت

آہے جدوں زلیخا وصلوں دل دے مقصد پائے
صورت چھوڑ جھکی ول معنی راز عجب دسیائے
ول ول عہد الست ازل دے ، قول نبھایا لوڑے
علموں عین اِکو حق پایا غیر تعلق توڑے
وحدت دے وچ آن سمائی چشم دِلے تھیں کھلی
عشق حقانی غلبہ کیتس ، ہور محبت بھلی
(170)

مولوی صاحبؒ مجاز اور حقیقت کے دونوں بھیدوں سے واقف ہیں۔ جب تک سورج خود باہر نہ آئے اُس کا دیدار مشکل ہے اسی طرح محبوب حقیقی پہل خود کرتا ہے۔ مجاز کو حقیقت تک پہنچانے کا پل کہا گیا ہے اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ چاہنے والے کی غلطیوں کو معاف کر کے اُسے اپنا دیدار کرا دے۔ وصال حقیقت کی منزل سے دور ہے لیکن امید اُسے قریب لے آتی ہے۔ یہی امید ہے جو عاشق کو تڑپ تڑپ کر مرنے سے بچاتی ہے۔ مولوی غلام رسول کو غیب سے یہ آواز آ رہی ہے کہ دکھوں کا علاج سکھوں کی امید رکھنے میں ہے۔ انہیں موسیٰ کوہ طور کے اوپر کھڑے اَرنی اَرنی کہتے نظر آ رہے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ اس مطالبے کی اگر ایک جھلک بھی ظاہر ہوگئی تو پہاڑ اتنی مضبوطی کے باوجود اسے سہار نہیں سکے گا اور اب وہ اپنے آپ کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ہوئے ایسے طریقے سے عشق کے بھید بیان کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

میں سنیا درمان دکھاں دا آس سکھاں دی دھرنی
کھڑا کلیم پکارے ارنی طور نہیں سٹ جرنی
(171)

جے لکھ وقت وصال دراڈا پاس امید دکھاوے

جے امید نہ پاوے عاشق تڑپ تڑپ مر جاوے

(172)

اچھل وگیں غلام رسولا تھاؤں نہ قدم ہلائیاں

محبوباں دے راز سوہاندے وچ کلام پرایاں

زلیخا یوسفؑ کو جیل میں قید کرنے کے احکامات جاری کرتی ہے تو مولوی صاحبؒ نے یہاں جو اشعار لکھے ہیں اُن میں نفس پر قابو پانے کا نسخہ بیان کیا ہے۔شعر ملاحظہ فرمائیں۔

چل وچ قید دلا کٹ دیکھاں چھٹن مکر جہاناں

تے امید دلے وچ ہر دم وصلوں بندیواناں

کثرت چھوڑ قدم دھر وحدت اپنا آپ نہ جاپے

تے اوہ وصل دلے دا مقصد ملے دلے نوں آپے

وچ ریاضت بندی خانے قید نہ پویں جدائیں

ایہہ کدورت دل تھیں تیرے ہرگز جاوے ناہیں

مڑ چل یار دوراڈا وگیوں بھیت نہ سمجھے جاون

محبوباں نوں بندی خانے یار ہتھیں چا پاون

(173)

اے دل اب تو قید خانے میں ہی چل یہ کام بھی کر کے دیکھتے ہیں ہوسکتا ہے اس طرح دنیا کے مکرو فریب سے جان چھوٹ جائے۔دوسرے مصرعے میں شاعر زلیخا کے دل کی ترجمانی کر رہا ہے۔زلیخا کے دل میں یہ امید نظر آ رہی ہے کہ ہوسکتا ہے قیدی محبوب قید کی سختی سے تنگ آ کے زلیخا کے دل کی امیدیں پوری کر دے۔دوسرے شعر میں مولوی صاحب نے تصوف کی اصطلاحات استعمال کیں ہیں۔فرماتے

ہیں عالم کثرت سے نکل کے وحدت کے سمندر میں ڈوبنے سے مقصد حاصل ہوتا ہے۔ تیسرا شعر بھی اس کی تائید کررہا ہے کہ انسان جب تک محنت وریاضت کی قید میں نہ جائے اُس وقت تک اُس کے دل سے کدورت نہیں جاسکتی۔ شاعر اپنے آپ کو کہتا ہے کہ عشق کے کارنامے اور بھید عقل وفکر کی سمجھ سے اونچے ہیں۔ عاشق اپنے محبوب کو اپنے سے الگ کر کے قید و بند کے حوالے کر دیتا ہے۔

تصوف میں مولوی صاحبؒ کا کمال جہاں بازغہ کا حال بیان کیا ہے۔ مولوی صاحبؒ ایسی عورت (بازغہ) کو جس نے بڑی بہادری کے ساتھ حق سچ کے آگے سر جھکا دیا تھا اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

نور ندی وچ نہائی دھوئی حُسنے دی ونجاری
جان فدا اس زن دے قدموں جو ہو مرد سدھاری

(174)

اور پھر بے غیرت اور بے ایمان مردوں کو غیرت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واہ مردو! مر جاؤ ڈب ڈب زناں گئیاں ودھ اگے
ناموری دیاں پگاں تائیں کیوں اج داغ نہ لگے

(175)

بازغہ کے حال میں مولوی صاحبؒ نے تصوف، معرفت، توحید کی ایسی تقسیم کی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے دل پر اس طرح اثر ہوتا ہے جیسے کسی صوفی کی روحانی محفل میں بیٹھ کر دل پر اثر ہوتا ہے۔ چند شعر سنیں تفصیلی بحث کسی اور جگہ کرینگے۔

مت صورت ول دیکھ پیاری معنیاں تھیں ول پاویں
بھلیوں بھلی صُور پُر معنی کس کس نوں گل لاویں
صورت بہت اکاہر معنی بھیت ملے جاں تکیں
جاں لگ ملے اشارت ناہیں توں کجھ سمجھ نہ سکیں

صورت دیکھ نظر دھر معنی راز اسے وچ سارا
تے معنی بن صورت تیں پر ہون نئیں آشکارا
(176)

افعال، ذات اور صفات

علمِ تصوف کا یہ ایک غامض نکتہ ہے کہ عالمِ محسوسات ایک آئینہ خانہ ہے جس میں افعال الٰہیہ کا عکس پڑ رہا ہے اور یہ افعال صفاتِ الٰہیہ کے ظلال (سائے) ہیں اور صفات کا غیر منفک تعلق ذاتِ باری سے ہے۔ مثلاً صفتِ خالق کا اثر فعلِ تخلیق سے، صفتِ رازق کا رزق رسانی سے، محی کا حیات بخشی اور ممیت کا قبضِ روح سے ظاہر ہے۔ اس وسیع مضمون کو ایک شعر میں ظاہر کیا۔

ہر محسوس تیرا تک دیکھیں سب عکوس افعالوں
تے افعال ظلال صفاتوں، صفتاں ذات کمالوں

لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ خالق کا اپنی مخلوق سے اس قسم کا علاقہ ہے جیسا مشین کا مشین بنانے والے سے کہ وہ یورپ میں بیٹھا ہے اور اس کی صنعت لاہور وکراچی میں اپنا کام کر رہی ہے بلکہ وہ کسی وقت بھی اپنی مخلوق کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جزو سے دور نہیں جیسے عکس ذی عکس سے بعید ہو ہی نہیں سکتا۔

عاکس عکسوں ہر جا اقرب، اس دی ذات احوالوں
اوہ اقرب تھیں اقرب جس تھیں شورش حسن جمالوں

اس مقام پر آ کر بعض فرقے حلول و اتحاد کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور مظاہرِ فطرت انسان، گائے، سانپ، سورج وغیرہ کو خدا کا اوتار سمجھ لیا۔ بعض ہمہ اوست کے گرداب میں پھنس گئے۔

مولوی غلام رسولؒ نے اس الجھن کو بھی ایک شعر میں صاف کر دیا۔

اثر حلول، اتحاد نہ سمجھیں تے نہ کیف بیانوں
جے پانویں حق پاویں جیونکر ہے منصوص قرآنوں
(177)

یعنی اس مسئلے میں اصلی فیصلہ وہی ہے جو قرآن کی صریح تعلیم سے ثابت ہے۔ انسانی عقول وافکار

اس باب میں کسی قطعی اور متفقہ نتیجے پر پہنچنے سے قاصر رہے ہیں۔ بقول عرشی سچ تو یہ ہے کہ یہ باتیں کہنے اور بیان کرنے کی نہیں، آئینۂ قلب کو ذکر الٰہی اور اخلاقِ جمیلہ سے صیقل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی کا نام سلوک ہے اور اس کے عامل کو سالک کہتے ہیں۔ سالک قال سے آگے حال کی شاہراہ پر چلتا ہے۔

مولوی غلام رسولؒ فرماتے ہیں۔

باجھوں حال نہ قال منافع، قالی دا ہتھ خالی
ہو خالی سدواوے عالی، ایہہ ہے طبع رزالی
فرج شکم دا بندہ ہو کے لافاں مار نہ مولے
نام دھریں کافور زنگی دا، پر کہہ کون قبولے
(178)

جس طرح سیاہ فام حبشی کا نام کافور رکھنے سے اس میں کافور کی رنگت اور خاصیت نہیں آجاتی۔ اسی طرح اہلِ سلوک کی باتیں کرنے سے اسرارِ سلوک حاصل نہیں ہوتے۔ بہت سے لوگ جنسی اور شکمی خواہشات کی سیری کیلئے عارفوں کا لباس پہن لیتے ہیں اور ان کی باتوں کی نقل اتارتے پھرتے ہیں لیکن امتحان کے موقع پر نامقبول ثابت ہوتے ہیں۔

روحانی کیفیت

مولوی صاحب کی روحانی کیفیت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا یہاں تک کہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالٰی کو دیکھا ہے۔

میں بے کیف ڈٹھا اوہ دلبر کویں کہاں کیفیت
مت کو وہم کرے اوہ ناہیں جاہل ہے بدنیت
(179)

فلسفہ، تصوف اور اللہ تعالٰی کے بھید پانے میں ان کا کشف بہت گہرا تھا ہر وقت وہ اللہ تعالٰی کے عشق میں مست رہتے تھے۔ آپ کے فکر کی گہرائی کا اندازہ کرنا مشکل ہے ساری عمر خود کو چھپائے رکھا اور آخر میں آکر ظاہر ہوئے۔

محی الدین ابن عربی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ”عرفان حقائق کی گرمی کا یہ عالم تھا کہ اگر میں اسے کتابی صورت میں منتقل نہ کر دیتا تو خود جل کر خاک ہو جاتا“ کچھ ایسا ہی حال مولوی صاحب کا بھی تھا کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کے بھیدوں کو زیادہ دیر چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔

توحید کا مسئلہ صوفیا کے نزدیک

صوفیاء کے نزدیک توحید کا مسئلہ بہت اہم ہے۔شہود یہ والے خاص حدود کو عالم یا کائنات کہتے ہیں۔نابود، بود کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے یعنی فرق اللہ اور عالم کا اعتباری اور صوری نہیں بلکہ واقعی اور ذاتی ہے۔وحدت عالم شہود میں ہے نہ کہ مشہودات میں۔مشہودات واقعی بیشمار ہیں مگر عارف غلبہ حال میں ایک ہی دیکھتا ہے۔وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اعلیٰ تقسیم مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سوانح مولانا روم کے صفحہ 202 میں اس طرح کی ہے۔فرماتے ہیں کہ علمائے ظاہر کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں اور نہ خدا کی ذات صفات میں کوئی شریک ہے مگر تصوف کی لغت میں اس کے معنی بدل جاتے ہیں صوفیا حضرات کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی چیز موجود ہی نہیں یا جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے (لاموجود الا اللہ) اسکو ہمہ اوست یا وحدت الوجود کہتے ہیں۔یہ مسئلہ چاہے تصوف کا اصل موضوع ہے مگر اس کی تفسیر اس قدر نازک ہے کہ تھوڑا سا بھی اِدھر اُدھر ہونے سے یہ مسئلہ بالکل الحاد کیساتھ مل جاتا ہے اسلئے ہم تھوڑی سی کھل کر بات کرینگے صوفیا اور اہل ظاہر کا ابتدائی اختلاف یہ ہے کہ اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے بالکل الگ وجود ہے جب کہ صوفیا کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے الگ نہیں۔یہاں تک تو سارے صوفی اکٹھے ہیں مگر اسکی تعبیر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔وجودیہ کے نزدیک خدا وجود مطلق ،ہستی مطلق کا نام ہے۔یہ وجود جب تشخصات اور تعینات کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے تو ممکنات کی اقسام پیدا ہوتی ہیں جسطرح بلبلے اور دریا کی لہر مختلف ذاتیں خیال کی جاتی ہیں لیکن دراصل اُنکا وجود پانی سے الگ کچھ نہیں۔

میں نے کہا وحدت اور کثرت کے بارے میں رمز سے بات کریں اُس نے کہا لہر، جھاگ بھنور سب دریا ہی ہے۔

دھاگے کو جو گرہ دی جاتی ہے اُس کا وجود بے شک دھاگے سے علیحدہ نظر نہیں آتا لیکن حقیقت

میں دھاگے کے سوا کوئی چیز نہیں صرف صورت تبدیل ہوئی ہے۔

دوسرا فریق شہود یہ وحدت الوجود کے یہ معنی لیتا ہے مثلاً آدمی کا جو سایہ ہے وہ بیشک ایک علیحدہ چیز نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں جو کچھ بھی ہے آدمی ہی ہے اس طرح اصل میں ذات باری ہی موجود ہے۔ ممکنات جتنے بھی ہیں سب اس کے سائے اور پرتو ہیں اسے توحید شہودی یا ہمہ ازاوست کہا جاتا ہے۔

مذھبی حوالے سے مولوی غلام رسول عالمپوری ؒ کے اشعار کا جائزہ

احسن القصص میں مولوی صاحب نے بہت سارے عربی الفاظ کو پنجابی کا جامع پہنایا ہے مثلاً مشکوٰۃ مشکوکاں، بُرہان کو بُرہانی، صلواۃ صلواتیں، جذوہ سے جذوی، مہجور سے مہجوراں، نساء سے نسائیں، طاق سے طاقوں، حجاب سے حجابوں، صدقہ سے صدقیوں وغیرہ۔ بہر حال یہ سلسلہ ساری کتاب میں بکھرا ہوا ہے۔ احسن القصص کو مولوی صاحب نے سورۃ یوسف سے علیحدہ بہت ساری قرآنی آیات سے سجایا ہے جو ایک مبسوط مقالے کی متقاضی ہیں۔ قرآنی آیات کی طرف اشعار کے حوالے سے چند اشارے۔

مولوی صاحب ؒ فرماتے ہیں۔

(1) عجز کمال خدا دَے حمدوں ہر ذرّہ اقراری
دم دم لکھ لکھ لُوں لُوں حمدوں تھیسے نہ شکر گزاری
(180)

کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی حمد کا نہایت عاجزی سے اقرار کر رہا ہے۔ اگر جسم کا ہر ہر بال ایک ایک سانس کے ساتھ لاکھ لاکھ بار حمد کرے تو پھر بھی اس کی حمد کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک میں آتا ہے۔

ترجمہ ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گنو تو ان کو گن نہیں سکو گے اور انسان بڑا ظالم اور بہت ناشکرا ہے''

(2) پاک منزہ خالق عالم باجھ مثال نظیروں
اس دا شکر نہ قدر بندے دا عقلاں دی تدبیروں
(181)

دنیا کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے۔ ایسا پاک جس کی کوئی مثال یا نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ عقل کی سوچ سے بندے سے یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکے۔

قرآن پاک میں آتا ہے۔

ترجمہ ''کائنات کی کوئی چیز اُس جیسی نہیں وہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے''۔

(3) ناسیں شے مذکور کدائیں اندر وقت وہائے
فیض وجود عدم تے چمکیا کھولے راز چھپائے

(182)

انسان گزرے ہوئے وقت میں کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھی جب واجب الوجود کا فیض عدم پر چمکا تو پوشیدہ بھید ظاہر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''انسان پر ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا''۔

(4) پائے راز برہوں دے بھارے تے توں عہد پکائے
بول بلیٰ اقراری ہویوں آن غضب سرچائے

(183)

اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اکٹھا کر کے پوچھا ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کیا میں تمہارا رب ہوں؟ اور روحوں نے کہا ہاں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔ مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں جب تو نے عہد کر لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا ہے تو پھر اس عہد سے پھرنا ٹھیک نہیں۔ اس عہد سے انکار کر کے گناہوں کا وزن سر پر نہیں اٹھانا چاہئے۔ آخر میں پھر کہتے ہیں۔

اوّل تد اقرار کیائی جاں تد خبر نہ کائی
کیہو بلیٰ ہُن دنیا فانی پکڑ بلاء گل پائی

(184)

انسان نے بلیٰ (ہاں) کہہ کے بلا (مصیبت) اپنے گلے میں ڈال لی ہے جب بندے کو اس بوجھ کا علم نہیں تھا۔ اب انسان کو چاہئے کہ اس عہد کو آخر تک نبھائے۔

(5) بار امانت چاء نہ سکے زمیں فلک بے چارے
اِنس ظلوم جہول اٹھایا ہُن کیوں عہدوں ہارے
(185)

اللہ کریم فرماتے ہیں۔

ترجمہ:''ہم نے اپنی امانت آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔سب نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔انسان نے اس کو اٹھالیا بے شک یہ ظالم اور جاہل ہے''

جس امانت کو آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے اٹھانے سے جواب دے دیا تو انسان ظالم جاہل نے اسے اٹھالیا۔اب اس عہد سے ہارنا نہیں چاہیے بلکہ اسے آ کر تک نبھانا چاہئے۔

(6) خلق امر دیاں شاناں دے وچ تینوں مِلی امیری
جان نہ جان آفاق تے انفس تیں وچ ہے تقدیری
(186)

ترجمہ:خبردار رہو اسی کی تخلیق ہے اور اسی کا حکم۔ہم اپنی نشانیاں ان کو آفاق اور ان کے اپنے نفس میں بھی دکھائیں گے کی طرف اشارہ ہے۔

اے انسان عالم خلق اور عالم امر یعنی دونوں عالموں میں تجھے بادشاہی ملی ہے۔

(پکی بات ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو بڑی عزت دی ہے)

دوسرے مصرعے میں پہلے مصرے کی مزید تشریح کی گئی ہے۔آفاق کا تعلق عالم خلق سے اور انفس کا عالم امر سے ہے۔مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں تم جانو یا نہ جانو آفاق اور انفس تیرے اندر تقدیری ہیں۔

(7) اکا نور زمیں اَسمانیں جس دے کارے سارے
مبداء فیض احدیت کولوں نور کھلے چمکارے
(8) ایہہ مصباح صفات زجاجوں لاٹ بلے بن نارے
وچ مشکوۃ قلوب عشاقاں جگمگ نور کھلارے
(187)

یہ دونوں شعر قرآن پاک کی اس آیت سے ماخذ ہیں

ترجمہ: ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اُس کے نور کی مثال طاق کی مانند ہے جس میں چراغ ہے اور وہ چراغ شیشے کی قندیل میں ہے شیشہ ایک چمکتے ہوئے روشن ستارے کے جو ایک بابرکت درخت زیتون سے روشن ہوا ہے۔''

مولوی صاحبؒ کہتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں ایک ہی نور ہے جس کے سارے کارنامے ہیں۔فیض کی ابتدائی جگہ یعنی احدیت سے نور کے تمام چمکارے جاری ہوئے دل کی قندیل کا نور خود بخود روشن ہے عاشقوں کے دل کے اندر جگمگ نور بکھیر رہا ہے۔

(9) یا توں عارف منتہی دے نور دِلے دا سارا
یا توں کوکب دُرّی کائی نور و نور پیارا
(188)

یا تو مقربین کے دل کا نور ہے اور یا تو چمکتا ہوا روشن تارا ہے جس کا نور بکھرا ہوا ہے۔اس شعر میں سورہ نور کی اُوپر والی آیت کے آخری حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ: ''جیسے ایک موتی کی طرح چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے''

(10) دعویٰ حق ایماناں پکا سچا بخش خدایا
حکم اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ شان جہدی وچ آیا
(189)

سورۃ بقرہ میں آیا ہے

ترجمہ: ''اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں''

دُعائیہ شعر ہے مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں اے اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کا پکا اور سچا دعویٰ بخش جس کی شان میں آیا ہے کہ ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

(11) تے تقدیم اوسے درباروں ہر ہر خود ناتانے
دیکھ یُحِبُّھُمْ دی رمزوں ول ول کھڑے دھگانے
(190)

محبت کی پہل ذات خداوندی کی طرف سے ہوتی ہے جب اس کا فضل شامل ہوتو پھر ہر کمزور اور ناتواں کو زبردستی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ پہلے ذات خود محبت کرتی ہے اور پھر سالک کے دل میں محبت کی کشش پیدا ہوتی ہے جیسے قرآن پاک میں آتا ہے۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ اللہ سے محبت کرے گی''۔

(12) جہاں دلاں وچ غیظ صحابہ حیف تنہاں ایمانے
او مصداق یُغِیظُ بِھِمُ دے بھاویں کسے زمانے
(191)

سورۃ فتح کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ: ''(تاکہ) اُن کی وجہ سے کافروں کو غضب میں لائے جو لوگ دلوں میں صحابہ کرام کے متعلق غیظ وغضب رکھتے ہیں اُن کے ایمان پر افسوس ہے کیونکہ ایسے لوگ چاہے کسی زمانے میں بھی ہوں وہ یُغِیظُ بِھِمُ کے مصداق ہیں یعنی وہ غضب کے مستحق ہیں''۔

(13) نور صبح وچ شب دے دامن جاں کھلن پر آیا
والشمس وضحٰھا تھیں دھر نقش اکھیں وچ لایا
(192)

سورہ الشمس کی پہلی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

والشمس وضحٰھا ۔سورج کی اور دن کی قسم جب صبح کا نور ظاہر ہونے پر آیا والشمس کا نقش آنکھوں پر رکھا اور صبح ہوگئی یعنی دن چڑھ گیا۔

(14) پڑھ آیت والشمس نصیباں خوابے شکل دکھائی
تیر عطارد تھیں چا واہے سدھ بدھ غماں گوائی
(193)

نصیبوں نے آیت والشمس پڑھ کے خوش اقبالی حاصل کر کے خواب میں اپنی شکل دکھائی ستارہ عطارد کے ذریعے تیر لگا کے غموں کی سمجھ بوجھ گنوا دی۔

(15) اول آخر ظاہر باطن آپے سب کچھ جانے
جان بنے انجان اساتھیں کار کرے من بھانے
(194)

قرآن پاک میں آیا ہے۔
ترجمہ: ''وہ سب سے پہلے اور سب سے آخر اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔
اللہ تعالیٰ کی ذات اول آخر ظاہر باطن اور سب کچھ جانتے ہوئے ہمارے ساتھ انجان (نہ جاننے والا) بنتا ہے اور جو کام چاہتا ہے کرتا ہے''۔

(16) واہ وا باغ جھدے وچ وسدے گئے بہشت کنارے
تے وچ وگدیاں چارے نہراں طرف مُجدَول چارے
(195)

چار نہروں سے مراد نہر پانی' دودھ' شراب طہور' شہد جیسے کہ سورہ محمد آیت ۱۵ میں آیا ہے
ترجمہ: ''اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بُو نہیں دے گا اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کو لذت ہے۔ شہد کی نہریں ہیں جو بڑی صاف ہیں۔ ان چاروں نہروں کی حد بندی کی ہوئی ہے''۔
وہ خوب باغ ہے جس میں بسنے والے بہشت کے کنارے رہتے ہیں باغ میں چار نہریں بہتی ہیں جن کی چاروں طرف سے حد بندی کی ہوئی ہے۔

(17) قلب سلیم گیا لے جھڑا وچ اس دے دربارے
اُس تے فضل کرم دیاں نظراں ملن مراتب بھارے
(196)

سورۃ شعرا کی آیت کی طرف اشارہ ہے
ترجمہ: ''جس دن نہ مال اور نہ بیٹے کوئی فائدہ دیں گے۔ سوائے اس کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے گیا جو انسان اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لے گیا اُس کی طرف فضل اور کرم کی نظریں ہوں گی

اور اسے بڑے درجے ملیں گے۔

(18) یَافِیْ اَنْفُسِکُمْ دی رمزوں تیں ول کرن اشارہ
یا ہیں حالت منتظرہ دے دل دا درد انگارا
(197)

قرآن مجید میں آتا ہے

ترجمہ: ''اور یقین کرنیوالوں کیلئے زمین میں بہت ساری نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی کیا تم نے دیکھیں نہیں یا تیرے وجود کی نشانیاں تیری طرف اشارہ کرتی ہیں یا تو انتظار کرنے والی کی حالت کے دل کے درد کا انگارہ ہیں۔''

موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ طور اور اس کی تلمیحات کا مولوی صاحب نے کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے۔ ہم اُن میں سے چند اشعار نقل کر کے متعلقہ آیت کا حوالہ دے کر ہلکی پھلکی روشنی ڈالتے ہیں۔

(19) تے مُجروح فراق پلک وچ دیکھ تڑفدا مردا
اَرِنِیْ اَنْظُرْ دی تکراروں رَسدا ازخم جگر دا
(198)

(20) طُور عظام صدُور جہاناں قلب کلیم جہاندے
اَرِنِیْ اَنْظُرْ دے وچ غشیاں محو دونین تہاندے
(199)

(21) چمکیا طُور کرم تھیں شعلہ جذوی طلب سدھائی
رَبِّ اَرِنِیْ دی لُوں لُوں تھیں لاٹ بلیندی پائی
(200)

(22) چا پردہ جے جھات وگاویں پتھر نوں اگ لاویں
تے ہر برگوں لاٹ چھوڑاویں لکھ لکھ طُور جلاویں
(201)

(23) میں سنیاں درمان دُکھاں دا آس سُکھاں دی دھرنی
کھڑا کلیم پکارے اَرِنِی طُور نہیں سَٹ جَرنی
(202)

ان اشعار میں سورۃ اعراف کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ:''جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے تو اُس کے رب نے اُن سے کلام کیا موسیٰ نے کہا۔اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار کراتا کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں۔اللہ نے کہا تُو مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔پھر جب اُسکے رب نے پہاڑ پر تجلّی کی تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کے نیچے گر گئے''۔

جدائی کا زخمی لمحے میں تڑپتا مر جاتا ہے اور مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھنے کی تکرار کی وجہ سے جگر کا زخم رِسنا شروع ہو جاتا ہے۔

جن کے نفس مطمئنہ صدور جہاناں اور قلب کلیم ہیں اُن کی دونوں آنکھیں مشاہدہ الٰہی کے نشے میں مخمور رہتی ہیں۔اس شعر میں ایک لفظ جذوی آیا ہے جو سورۃ القصص کی اس آیت کی نشان دہی کرتا ہے۔

ترجمہ:''میں اُدھر سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا انگارہ لاؤں تا کہ تم تاپ سکو۔''

کوہ طور اللہ تعالیٰ کے کرم سے شعلہ کی مانند چمک اٹھا اور چنگاری کی طلب ختم ہو گئی اور ربِّ اَرِنِی کی ہر ہر رونگٹے میں شعلہ بھڑ کنے لگا۔

اگر پردہ اٹھا کر نظر ڈالو تو پتھر کو آگ لگا دو اور ہر پتے سے شعلے نکلنے شروع ہو جائیں اور لاکھ لاکھ طور جل جائیں۔پتھر اور طور سے مراد کوہ طور ہے۔

زلیخا کہتی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ دکھوں کا علاج سکھوں کی امید رکھنی یعنی سکھوں کی اُمید پر دکھ گزر جاتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر پکار رہے ہیں کہ طور نے چوٹ برداشت نہیں کرنی یعنی میرا جسم تکلیفوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔قرآنی آیات کا یہ سلسلہ کافی بسیط ہے۔مولوی صاحبؒ اپنے ایک جگری دوست کو ایک چٹھی میں لکھتے ہیں۔

سینے تنہاں دے آب حیات رسدا دل جنہاں دا نور عرفان دا اے
تر دی ٹھاٹھ جمال جلال دی تے ہر آن مشاہدہ فان دا اے
(203)

قرآن حکیم میں ارشاد ہے

ترجمہ: ہر چیز جو اس زمین کے اوپر ہے سب فنا ہونیوالی ہے صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی باقی رہنے والی ہے"۔

جمال الٰہی اور جلال الٰہی کی شان و شوکت پر ہر وقت فنا کی کیفیت طاری ہے جن کے دل میں عرفان کا نور ہے ان کے سینوں میں آب حیات ٹپکتا ہے۔ دوسرے شعر میں لکھتے ہیں۔

رواں اک نشان دی باندڑی اے ایہہ وہم گمان نادان اے
کُلُ شیءٍ ھالِکٌ" باقی اک مالک نگہبان تمام جہان دا اے
(204)

قرآن پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے

ترجمہ: "سوائے اس کی ذات کے ہر چیز ہلاک ہونیوالی ہے اُسی کا حکم ہے اور تم اُس کی طرف ہی لوٹائے جاؤ گے"

نادان کا یہ وہم گمان ہے کہ روح ایک نقش کی خادمہ ہے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے باقی صرف ایک تمام جہاں کا مالک اور نگہبان ہے۔

اشعار میں جابجا آیاتِ قرآن کی طرف لطیف اشارے کرتے جاتے ہیں اور پند و وعظ کا فریضہ بھی انجام دیئے جاتے ہیں۔

ناسئیں شے مذکور کدائیں اندر وقت وہائے
فیض وجود عدم تے چمکیا کھولے راز چھپائے
(205)

یہ سورۃ دہر کی پہلی آیت کا ترجمہ ہے (کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آچکا جب یہ کوئی قابل ذکر چیز

تھا ہی نہیں)۔اب شعر کی اردو نثر پڑھیئے۔

انسان اپنے مصدرِ حقیقی سے فراق کا بھاری بوجھ اٹھاتا ہے اور ''الَست بِرَ بِّکُمْ'' کے جواب میں ''بلیٰ'' کا عہد کرتا ہے اور پھر یہاں آ کر اسے فراموش کرتا ہے لیکن اہل اللہ اس عالم فراق میں بھی اس عہد کو یاد رکھتے ہیں اور وصالِ حقیقت کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔

اس کے بعد سات شعر بہت سے حقائق و معارف پر مبنی ہیں پھر آٹھویں شعر میں مولوی صاحب ؒ اسی عہد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اے غدار نہ ہار اقراروں انت پچھوں ہتھ ملنا
کِت ول چلیوں کدھر چلنا کس سنگت وچ رلنا
(206)

اب ''ظلوم وجہول'' کی تفسیر مولوی صاحب ؒ یوں کرتے ہیں۔

ظالم جاہل جے نہ ہندوں نہ پوندوں وچکارے
ایہہ ہے مدح مذمت ناہیں اس وچ ناز اشارے
ظلم کما سر نفس امارے لوم نہ رہسی مولے
بعد وصول الہام اچانک اطمینان قبولے
(207)

یہی بہت سے اشعار ہیں جن کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ

زمین وآسمان بارِ امانت اٹھانے سے عاجز آ گئے۔آخر ظالم و جاہل انسان نے اٹھایا۔اب یہ عہد شکنی کیوں کرتا ہے۔اے غدار انسان! وعدہ نہ توڑ ورنہ پچھتانا پڑے گا۔تو کدھر جارہا ہے؟ کدھر جانا چاہئے تھا؟ کس جماعت میں شامل ہونا تھا؟ اگر تو ظالم و جاہل نہ ہوتا تو اس دنیائے سعی و عمل میں نہ آتا۔ یہ تو تیری مدح ہے مذمت ہرگز نہیں۔اس میں کئی ناز اور اشارات ہیں۔

شرح ظلوم

نفسِ امارہ پر ظلم کر،غفلت کی نیند ختم ہوجائے گی۔الہام الٰہی سے سرفراز ہو کر ناگہاں اطمینان کی

دولت حاصل کرلے گا۔

شرحِ جھول

اس عالمِ فنا سے جاہل ہونا لازم ہے۔ جب تک اس راز کو نہ پائے گا خودی سے دستبردار نہ ہوگا اور اپنے اندر کی روحانی کائنات سے بے خبر رہے گا۔

لازم جہل فنا نوں آیا جاں ایہہ پاویں ناہیں
سب پرواز تیرا وچ تیرے خودیوں جاویں ناہیں
(208)

مذاق سلیم

اسرارِ حقیقت کو سمجھنے کیلئے درسی علوم کافی نہیں۔ اس کیلئے فطری طور پر صحتِ ذوق کی ضرورت ہے۔ اس نکتے کو مولوی غلام رسول عالمپوریؒ احسن القصص میں نہایت عمدہ مثال سے سمجھاتے ہیں۔

جنہاں مذاق سلیم پچھانن خود شیرینی قندوں
صفرائیاں ہر تلخی جاپے، ہون خلاص نہ بندوں

شاعری کے حوالے سے بارہ ماہ کی خصوصیات

بارہ ماہ لکھنا پنجابی شاعری کی عام روایت رہی ہے۔ پرانے پنجابی شاعروں میں تقریباً اکثریت نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ عام شاعروں نے ہر مہینے پر چار چار مصرعے لکھے ہیں لیکن شاعری کے امام مولوی صاحبؒ کسی کے پیروکار نہیں۔ مولوی صاحبؒ نے ہر مہینے میں چھ، چیت میں آٹھ اور پھاگن میں بیس مصرعے لکھے ہیں۔ اب آپ مولوی صاحبؒ کے بارہ ماہ کا نمونہ دیکھیں۔ مولوی غلام رسول زلیخا کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

ماہ پوہ

پوہ مہینہ ٹھنڈا چڑھیا جگر ودھیرے سڑیا
لمی رات فراقاں والی یار نہ مڑ گھر وڑیا
گھر میرے توں پیر نہ پاویں دیکھ دکھاں دیاں آہاں
ایہہ آخر دکھ لائے توہیں ہن کیوں ہٹیں پچھاہاں
وَید توہیں دکھ تیرا مینوں میں تیری توں میرا
توہیں دولت توہیں مالک توہیں آپ لٹیرا

بارہ ماہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس مہینے کی مناسبت کیساتھ خیالوں کا اظہار کیا جائے کیونکہ اگر یہ بات نہ ہو تو بارہ ماہ اور سی حرفی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سی حرفی میں بغیر کسی موسمی پابندی کے ہجر و فراق کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے پہلے ہی مصرعے میں ''پوہ مہینہ ٹھنڈا چڑھیا'' کہہ کر اس کے ساتھ ''جگر ودھیرے سڑیا'' لگایا ہے جس سے مصرعے میں دو خوبیاں پیدا ہو گئیں ہیں۔

1۔ پوہ مہینے سے ٹھنڈ کی مناسبت

2۔ ٹھنڈا اور سڑیا میں صنعت تضاد ہے

مولوی صاحبؒ کے مصرعوں کو دیکھیں تو کہنا پڑے گا کہ درد و سوز کا موضوع تو اُن کی جاگیر ہے اس

موضوع پر کوئی شاعر اُن سے بازی نہیں لے سکتا'' جگر ودھیرے سڑیا۔ لمبی رات فراقاں والی۔ دیکھ دکھاں دیاں آہاں۔ ایہ آخر دکھلائے تو ہیں۔ تو ہیں آپ لٹیرا'' سوز و فراق کے شعلے ہیں جو مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے سینے سے اٹھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ماہ بھادوں

بھادوں بھا میرے دکھ بھارے تپے دماغ بخاروں
روئے زمیں دا تختہ گلیا میری گریہ زاروں
رووں دا ورتارا میرا نین وساون جھڑیاں
مل یارا میں تیرے باجھوں سختیاں پائیاں بڑیاں
حال میرے دی مشکل بھاری دیکھ کدی اک واری
خوش اقبال اوہا جس تیرے جان قدم پر واری

آپ پہلے دکھوں کا وزن بتاتے ہیں پھر ان دکھوں کی وجہ سے دماغ پر جو اثر پڑتا ہے وہ بتاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دماغ دکھ کے اثر سے متاثر ہوگا اور جسم کا کوئی حصہ اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس دماغی بخار کا اثر آنکھوں پر پڑتا ہے اور ان آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری ہو جاتا ہے۔ شاعرانہ مبالغہ کی رو سے ساری دنیا پانی نظر آ رہی ہے۔ یہ آنسوؤں کی بارش تھمتی نہیں ہے۔ چوتھا مصرعہ سراسر التجا ہے یہی اس روگ کی دوا بھی ہے۔ شاعر کے الفاظ میں مسکینی، عاجزی، مجبوری اور معذوری ہے۔ پانچواں مصرعہ اس کیفیت میں اور تیزی پیدا کر رہا ہے۔ ''دیکھ کدی اک واری'' میں جادو بھرا ہوا ہے۔ محبوب کے ایک مرتبہ دیکھ لینے سے عاشق کے دکھوں کے طوفان ایک دم رک جائیں گے مشکلیں آسان ہو جائینگی۔ یہ ایک نظر کی نوازش عاشق کے نزدیک اتنا بڑا کرم ہے کہ جس پر جانیں قربان کی جا سکتی ہیں اور اس جان نثار کرنے کو عاشق اپنی خوش اقبالی تصور کرتا ہے۔

ماہ جیٹھ

جیٹھ ہوائیں سینہ ساڑن وانگ چُھریویں یاراں
کون اوہا جس میں غم گھتی کس تھیں پچھاں ساراں

اے محبوب محبت تیری کیڈک آفت بھاری
صبر لٹے تے ہوش لٹاوے جان کھڑے کڈھ ساری
دل میرے وچ توہیں آیا بہ بہ گھتیں جھاتیں
ساعت بھر ہو ظاہر دیکھن نین میرے بہہ گھاتیں

مولوی صاحب نے ''جیٹھ ہوائیں سینا ساڑن'' سے مہینے کا آغاز کر کے پہلے ہی مصرعے میں پڑھنے والے کو صحرا کی دھوپ میں کھڑا کر دیا ہے آگے دونوں مصرعوں میں حیرت اور استفہام کی مشعلیں روشن کر دی ہیں۔ ''کون اوہا جس میں غم گھتی۔ محبت تیری کیڈک آفت بھاری'' چوتھا مصرعہ، صبر، ہوش اور جان نثاری کو عشق کے فراق کی راہ میں قربان کر رہا ہے۔

مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''اے محبوب تو میرے دل میں بس رہا ہے اور میرے اندر کی جلن کو بھی دیکھ رہا ہے۔ کچھ وقت کے لئے اپنے جمال جہاں آرا کو بے حجاب کرتا کہ میری آنکھیں تیرا ایک دفعہ دیدار کر سکیں''، یعنی محبوب حقیقی شہ رگ سے نزدیک ہونے کے باوجود اپنے طالب صادق کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس انداز میں شاعر نے جگہ جگہ مجاز میں حقیقت کا رنگ بھر دیا ہے۔ جس سے اُن کا ذہنی رجحان، پاکیزگی اور بلندی معلوم ہوتی ہے۔ مولوی غلام رسولؒ شاعری کے آسمان کے سورج ہیں ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں اور تلمیذ الرحمٰن کے اونچے مقام پر فائز ہیں۔ ہمیں ان کا ذکر کرتے وقت ادب واحترام اور انصاف کو سامنے رکھنا چاہیے۔

فنی محاسن

داستان امیر حمزہ

کردار نگاری

کردار نگاری داستان کا ایک اہم جز ہے۔ داستان امیر حمزہؓ کے کرداروں کا جائزہ لیا جائے تو اُن کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی مردانہ اور زنانہ کردار۔ دیو وغیرہ مردانہ اور پریاں زنانہ کرداروں میں ہی شامل ہو جائیں گے۔ مردانہ کرداروں میں حمزہ، عمر امیہ، نوشیروان، لندھور، عمر معدی بن کرب، بختک، گاؤ لنگی، شداد حبشی، ژوپین کاؤس، بہمن، گستہم اور مافوق الفطرت میں قریش محمد، خرپائے دیو اور اُس کا باپ عفریت، رعد چینی اور برق چینی دیو، سمندو دیو، سموم دیو، اشقر، ارغیس اور سفید دیو زیادہ قابل ذکر ہیں۔ زنانہ کرداروں میں مہر نگار، مریم بن ناصر شاہ، قارن کی بہن، رابعہ بن فتحوس، گیلی اسوار، مہر افروز، ہروم کی بہن گلچہرہ اور خورشید بنت تہمتن اور مافوق الفطرت میں اسما پری اور ارزع پری زیادہ مشہور ہیں۔ کچھ اور کردار نجومی، رمال اور حکیم وغیرہ کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ جیسے نوشیروان کا درباری نجومی بزرجمہر اور اُس کا بیٹا سیاوخش اور اُس کا حکیم مشروک تھا اور پریوں میں شارستان کی ملکہ ارزع کی ایک درباری نجومی پری سلاسل۔ (209)

آ ہے ارزع پری دی سی اک خاص وزیر
نام سلاسل اوسدا پارہ بدر منیر
ماہر علم نجوم دی وچہ رمل استاد
آہا علم نجوم دا اسنوں چنگا یاد

(210)

اس کے علاوہ عام کرداروں کی تعداد ان گنت ہے۔ بادشاہوں کی فوجیں، محل کی لونڈیاں، خواصاں اور دوسرے درباری سبھی اس زمرے میں آتے ہیں۔ اگر کرداروں کی نوعیت اور اُن کے آپس

میں تعلقات کو دیکھیں تو اُن میں بادشاہ، رعایا، آقا، غلام، عاشق، معشوق، باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی، سہیلی، ہم جولی، دوست، دشمن، بوڑھے، جوان، خوش وخرم اور رنجیدہ ہر طرح کے کردار نظر آئیں گے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا یہ کمال ہے کہ ہر کردار کی شخصیت، منصب، عمر، ماحول اور نفسیاتی رجحان کو سامنے رکھ کے اُنکو پڑھنے اور سننے والوں سے واقف کرایا ہے۔ داستان امیر حمزہ میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ ایسی خوبیوں کو قائم رکھنے میں کامیاب ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خوبیاں کرداروں کے ذریعے ہی قائم رکھی جاسکتی ہیں۔ داستان امیر حمزہ میں کردار نگاری کی بہت اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ شاعر نے جس بھی کردار کا بیان کیا ہے اُس کی تمام امتیازی خوبیوں کو قائم رکھا ہے۔ کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو قائم کئے گئے کردار کے خلاف ہو۔

منظر نگاری

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے خاص حالات کے علاوہ قدرتی مناظر کی تصویریں بڑے فنکارانہ انداز میں کھینچی ہیں۔ خارجی مناظر کی تصویر کھینچنے کیلئے وسعت علم کی بہت ضرورت ہوتی ہے پوری داستان میں جو خارجی مناظر مولوی صاحبؒ کی بیانیہ شاعری کی عظمت کا احساس دلاتے ہیں اُن میں باغ کی سجاوٹ اور اُس کے اندر پرندوں وغیرہ کا ذکر اور شراب وغیرہ کی محافل کا ذکر، جزیرے کا منظر، فوج کی تیاری اور یکبارگی حملے کا منظر، نوشیرواں کی خستہ حالی کا منظر، جنگل کی آگ کا منظر خاص کر قابل ذکر ہیں۔ عمر امیہ حمزہ کے لئے گھوڑا ڈھونڈنے جاتا ہے وہ ایک باغ میں داخل ہوتا ہے۔ (211)

اُس کا منظر دیکھیں۔

باغ عجایب ڈیکھیا زیبا تے مرغوب
مجلس وانگ سماع دے ہون آوازے خوب
خوش آواز جناوراں پایا ہویا شور
قمری بولے طوطیاں تتر مور چکور
گل سرخاں وچ سرخیاں لب محبوباں وانگ
وچہ سمن دی ڈالیاں وگی حسن دی کانگ

دل لالہ خوشرنگ دی پھری فراقوں وا
نرم نسیم درکڑی کلیاں گئی ہسا
ساق سنوبر لچکدے بند غموں آزاد
پر فرحت شمشاد نے ورق ورق دلشاد
چشم کشادہ نرگسوں مستی خواب رہے
شین بعین دونین دی جا وچہ جگر دھے
شاخ بشاخ درخت ہر میویاں نال بھرے
سیب زقن محبوب دی نال مثال دھرے
خنداں چہر انار بھی لٹکے ناز کرے
ڈٹھے عمر عیار نے سب رکھ ہرے بھرے

(212)

اس طرح مدائن سے سراندیپ جاتے ہوئے راستے میں ایک جزیرہ آیا۔اس کے درختوں کے جانوروں،درختوں اور پھلوں کا ایسے ذکر ہے۔

رکھ دن وچ جھاٹلے پُر پُر میوے نال
سرو چمن وچ لٹکدے گلدی شاخ نہال
رن داکھاں پکیاں کلیاں چھوڑن بو
بھورن پر چنبیلیاں کرے صنوبر لو
پالو پال چنار دی شاخ جھکی ہتھ دو
دھرے طعام انگوریاں لون بہار سمو
پھرن اڈاری بلبلاں سن سن فخر گلوں
طوطے مست پکار دے لذت باجھ ملوں

گلشن چھوڑ سدھاریوں کوئل کرے ندا
جھوکاں دے وچ گھگھیاں سیہاں گھگ گھگھا
مور اُڈاون بلبلاں مفت کھپاون مغز
اگن کرن کجھ بولیاں پُر پُر معنے نغز
(213)

واقعہ نگاری

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے داستان امیر حمزہ میں واقعہ نگاری کے ان اوصاف کو سامنے رکھا ہے۔ اُنہوں نے ہر واقعہ کو مجسم بنا کر ہمارے سامنے کھڑا کر دیا ہے جیسے لندھور کا یہ واقعہ کہ وہ لکھنوتی کے کنویں میں پانچ سال قید رہا۔ اُس کا حال یہ تھا۔

روندا آہیں ماردا ذرہ نہ کرے آرام
جان کندن دی اوس تے طاقت رہی مدام
رو رو کردا زاریاں زم کرے کو بند
زم نہ کردا بند کو مت کجھ کرے گزند
(214)

جذبات نگاری

جذبات نگاری اس مثنوی میں وہ حسن اور اثر پیدا کرتی ہے جو بہت کم ہی کہیں اور ملتا ہے۔ کہانی کو دلچسپ اور خوبصورت بنانے کیلئے بیان کا بے تکلف، سادہ اور فطری ہونا بہت ضروری ہے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے ہر واقع اور ہر جذبے کی خوبصورت تصویر کشی کی ہے لیکن ہجر، فراق اور غم کا بیان بہت اثر انگیز ہے۔(215)

مدائن سے مکہ جاتے وقت مہر نگار کے اپنے محبوب حمزہ اور اپنے وطن کی جدائی کے بارے جذبات مولوی صاحبؒ کی زبانی سنیں۔

پیو دادے دے تھاں میں اج چھوڑ چلی
میری وچہ پردیس دے ہوسی خاک رلی
چھوڑ چلی سرداریاں ہو کے تیری نار
ناہیں منوں وسارناں میںنوں اے سردار
میرا مرنا جیوناں ہو چکا تیں نال
اندر درد وچھوڑیاں جان نہ چھڈیں گال
آن شتابی دلبرا دکھلاویں دیدار
پاک خدا دے واسطے چھڈیں نہ وسار
بن تیرے دیدار دے تڑف مراں گی میں
جگر المنہ عشق دا کویں جراں گی میں
مل میںنوں میں واریاں رہن تپیندے نین
رہاں نہ کردی زاریاں کوک برہوں دے وین
(216)

حمزہ فرطِ جذبات میں کچھ نہ کہہ سکا صرف اتنا کہا۔

حمزے نے فرمایا کی کہنے دی گل
باجہ تکلف رجوع ہے دل میرا تیں ول
(217)

ایک موقع پر مہر نگار سے ناراض ہو کر حمزہ نے اُسے اپنے رقیب اولاد کے حوالے کر دیا۔ اُس وقت حمزہ کے بارے مہر نگار کے جذبات۔

آہا مہر نگار دے دل وچہ ناں قرار
کر کر یاد امیر نوں آہ کرے ہر وار
گیا نصیبوں میریوں دلبر دا دیدار
کیتا سخن برابری طالع دتی ہار

موڑ ملا رب میریا یار پیارے نوں
مت مرجاواں روندی ترس نظارے نوں

(218)

مہر نگار کی جدائی میں حمزہ کے جذبات

ایدھر وچ فراق دے حضرت عرب امیر
باجھوں مہر نگار دے رات دنے دلگیر
دمدم عرض گزار دا اللہ دے دربار
یارب مہرنگار نوں میل ملاں اک وار
کھول دلاں دیاں گھنڈیاں صلح کرے دلدار
بیٹھے آن مقابلے شوقوں گھنڈ اتار

(219)

مہر نگار کو ژوبین نے شدید زخمی کر دیا۔ اُس کے نزع کے وقت مہر نگار اور حمزہ کی باتیں جذبات نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ حمزہ مہر نگار کو کہتا ہے۔

مینوں اندر غماں دے چھوڑ نہ جائیں یار
تیں بن میرا جیونا وچ دنیا دشوار
دل میرا ناشاد تے گھر میرا برباد
وگدی میرے سینیوں درداں دی فریاد

(220)

مہر نگار کے جذبات دو صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔
چند شعر ملاحظہ کریں۔

بھر دو نین سرشک تھیں کہندی مہرنگار
جگ جگ وسیں جہان تے توں خوشیاں وچ یار

میرا جاندی وار دا ایہی عجز سلام
راضی رہنا سرورا اُپر ایس غلام
ودع مکے دے والیا میں کر کوچ چلی
خاک رہے وچ قبر دے تیں بن جلی بلی
میں رونا وچ قبر دے باجھ تیرے دیدار
آن تپیندی قبر نوں مڑ دیکھیں اک وار
توں نہ روئیں رج کے لیا بتھیرا رو
توں مجبوبا میریا پونجھ اکھیں چپ ہو
(221)

اسلوب

جہاں تک اس داستان کے اسلوب کا تعلق ہے یہ مثنوی کی شکل میں ہے۔شاعر نے اس میں اپنی تخلیقی قوت کی اونچی پرواز کی ہے۔ یہ داستان شاعر کے خیال کے تسلسل، بیان کے ربط، موضوع کے تدریجی ارتقا، ذہانت، شاعرانہ فطانت، خیال کی بلندی اور ندرت اور مشاہدہ کی وسعت کی ایک اچھی البم ہے۔ داستان امیر حمزہ مثنوی کی خوبیوں پر پوری اترتی ہے۔ انداز بیان دل موہ لینے والا ہے اور لب ولہجہ اور زبان میں عام طور پر چاشنی اور مٹھاس ہے۔(222)

ذرا رومیوں پر عربیوں کے حملے کا ذکر دیکھیں۔

برق درخشاں تیغ دی چمک گئی اسمان
شیر دلاں دے دلاں تھیں پر ہویا میدان
تیغ دریغ نہ رکھدی قتل کرن وچ کو
گرز البرز نگھار دی ہیٹھ زمیں ہتھ دو
فند کمند چلاوندا بند دھرے وچکار
چھرا بُرا تن چیر دا کردا جان فگار

ہڑ وگ ٹریا رت دا رہڑ دے سیس ہزار
ہاتھی گھوڑے قتل جو ناہیں کجھ شمار

(223)

کہیں کہیں داستان میں انوکھی اور مشکل زبان بھی ملتی ہے جسکا اعتراف مولوی صاحب کو بھی ہے۔ وہ خود کہتے ہیں۔

شعر شعوروں دور ہے بھانویں سو سو وار
تس وچ بازی عمر دی مجلس دا سنگار

(224)

لیکن ان اشعار میں چاشنی اور مزہ ضرور ہے۔ کچھ اشعار دیکھیں۔

گر ایہیں سولیا ہم کملے بکو کیا
مت بولو رے باورے گیا سو انت گیا
تمری سوجھا نردھی ھمری چتر سجان
کب کنیا تیں جیوڑا ہمرا سوجھ گیان

(225)

مصنف نے داستان میں پنجابی سے الگ اردو، فارسی، عربی، ہندی اور ترکی زبان کے لفظ استعمال کر کے پنجابی کا دامن وسیع کیا ہے۔ جیسے پیک، اسپ، پیکار، فیل، اندام، گریہ زار، جامہ، پیرہن، خنگ، پدر، طفل، روان، جنگ گاہ، زنان، پے در پے، خشت، شتاب، نقش نگار، پشت، گلزار، پند، روز، بزم افروز، غریو، سرشک، جرس، فردا، سوگند، مرغزار، گوش، ہر دو، سنگ، گزند، چہار، خار، گرگ، گبر، خورش اور فتراک جیسے ہزاروں لفظ فارسی کے استعمال کئے ہیں۔ ازن، قاصد، تقدیم، تحریر، رقعہ، تعظیم، سریر، حسود، جدال، قتال، کثیر، مبارز، نار اور برق جیسے کئی لفظ عربی کے ہیں۔ دھرت، دھرتی، جھب، نین، مرگ، چاہ (محبت)، رن (جنگ)، کلال، پرتھمی، ٹنگری اور دھند وکار کی طرح بیسیوں لفظ ہندی کے ہیں۔ کہیں کہیں کوئی ترکی لفظ بھی مل جاتا ہے جیسے کورشش (بمعنی آداب)۔ (226)

کئی بار تو اردو اور فارسی الفاظ سے قافئے بنائے گئے ہیں اور کہیں اردو پنجابی قافیے ملائے ہیں۔

جیسے۔

جے ناں لکھدوں ظالماں کیوں ہندا ایہہ کام
میں کھے وچ جائے کے کیوں پھسدا وچ دام

کھے وچ گزار دا خود حمزہ دن کو
ماں پیو اگے اک دن کردا عرض کھلو

الجوشش دے جنگ نوں ہسدے دیکھ تمام
ایہہ چالاکی جنگ دی ختم اوسے دے نام
(227)

احسن القصص

کردار نگاری

اس داستان کے کردار تاریخی کردار ہیں خاص طور پر یوسفؑ اور یعقوبؑ کے کردار۔ان کرداروں کے ذریعے اپنے بزرگوں کے کارناموں اور پچھلی تاریخ سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے شاعر نے ان کو اس طرح پیش کیا ہے کہ یہ داستانی کردار اصل تاریخی ہستیوں سے زیادہ معلوماتی لگتے ہیں۔مولوی صاحبؒ نے اپنے کرداروں میں اس طرح کا فاصلہ قائم رکھا ہے کہ جو شخص یوسفؑ کا قریبی ہے وہ بہت محبت کرتا ہے اور اُن کے بارے اچھے خیالات رکھتا ہے۔اس کی روحانی پختگی اور ایثار میں زیادتی نظر آتی ہے۔ سگے بہن بھائی کی مثالی محبت اور سوتیلے بھائیوں کی تسلیم شدہ دشمنی کا تذکرہ کرنے کا فریضہ شاعر نے خوب نبھایا ہے۔فنی اصطلاح کے سبب یوسفؑ کا کردار Flat (سادہ) کردار ہے۔اس کی تاریخی اور مذہبی حیثیت بھی تسلیم شدہ ہے یعنی یہ ایک ایسا کردار ہے جو اپنی مخصوص صفات نہ کبھی بدلتا ہے اور نہ ہی ان میں اضافہ یا کمی کرتا ہے۔مولوی غلام رسول عالپوریؒ نے اس کی کچھ مخصوص صفات کو اہمیت دی ہے۔ یہ

کردار راست باز، حق کا پجاری، غموں پر صابر، پکے عزم والا اور بہت بڑا مبلغ ہے اسے اپنے آپ پر بھی اعتماد ہے اور لوگ بھی اُسے اعتماد کے لائق سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرتا ہے اور پورا متقی ہے یہ خاص صفات کہیں بھی نہیں بدلتیں۔ وہ جو کچھ آغاز میں ہے وہی آخر میں ہے۔ داستان کا مصنف اس کردار کو پیش کرنے اور نبھانے میں کامیاب ہے۔ قصے میں جہاں جہاں اس کا عمل نظر آتا ہے قاری اُس کو اُس کی مزاجی خوبیوں کی وجہ سے فوراً پہچان لیتا ہے اور پوری طرح متاثر ہوتا ہے یہ ایک ایسا کردار ہے جسے مصنف بار بار قاری سے متعارف نہیں کراتا بلکہ اپنی مخصوص خوبیوں کی وجہ سے خود ہی اپنے آپ کو قاری سے متعارف کر لیتا ہے۔ یوسفؑ اپنی فضا آپ پیدا کرتے ہیں۔ قاری کا ذہن اُن کے بارے کوئی تذبذب اور پریشانی محسوس نہیں کرتا بلکہ اُن کو یاد رکھ کے اس طرح کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ قاری کے ذہن میں یہ کردار کبھی نابود نہیں ہو سکتا چاہے کتاب نابود بھی ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے کرداروں کی نسبت اپنا تاثر قاری پر زیادہ شدید ڈالتا ہے اور اُس کی خوبیوں کا مقابلہ قاری اپنی خوبیوں سے کرنے لگ پڑتا ہے اور اپنی اندرونی حالت کو درست کرنے کی فکر کرتا ہے۔ یوسفؑ کے کردار میں اُس قاری کیلئے جو دنیا کی مصیبتوں میں اپنی راہ نکالنا چاہے اس معاملہ میں اعلیٰ سبق ملتا ہے۔ یوسفؑ نے مشکلوں اور مصیبتوں کی پہلی منزل میں ہی صبر، عزم، اعتماد، فکر اور توکل علی اللہ کی عظیم روح پیدا کر لی تھی جو اُسی طرح آخر تک قائم رہی اور وہ ایسی منزل پر پہنچ گئے جو آخر اُن کی منزل مقصود ثابت ہوئی۔ زلیخا کے کردار میں جو سب سے خصوصی اور قاری کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی بات ہے وہ اُس کے اخلاقی ارتقاء کا نقشہ ہے جو کبھی بدی کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی نیکی کی طرف۔ عبدالقادر سروری کے خیال کے مطابق کردار کا برائی کی طرف ارتقاء زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ اس خیال کو زلیخا کے کردار پر منطبق کر لیں تو یہ بالکل درست نظر آتا ہے۔ زلیخا کے کردار کے دو حصے ہیں پہلا برائی کی طرف مائل اور آخر میں اپنے عروج تک پہنچ جاتا ہے ایک وقت کے بعد جب اچھائی شروع ہوتی ہے وہ بھی عروج تک پہنچ جاتی ہے اور یوسفؑ کو صاف صاف کہہ دیتی ہے۔(228)

کہے زلیخا تیتھیں چنگا لبھ پیا میں تائیں
اسدے اٹھ حضوروں یوسف جاواں دس کتھائیں

جذبات نگاری

شاعری کی اصل روحِ رواں انسانی جذبات اور احساسات کا بیان ہے۔ شاعری اصل میں مصوری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مادیات اور محسوسات کی تصویر کشی کرنا کوئی مشکل کام نہیں جبکہ غیر محسوسات اور غیر مادی اشیاء کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے۔ رنج، غم، جوش، محبت، غیظ، بے قراری، بے تابی، مسرت اور خوشی مادی چیزیں نہیں آنکھ ان کو محسوس نہیں کر سکتی البتہ دل پر ان کا اثر ہوتا ہے لیکن یہ اثر سب پر ایک جیسا نہیں ہوتا اس لئے اُن کی ہو بہو تصویر کشی کرنا مشکل ہے۔ احسن القصص میں گہرے تخیل کی فراوانی کے ساتھ ساتھ جذبات کی پوری عکاسی ملتی ہے۔ یوسفؑ کے سوتیلے بھائی اُس کو کنویں میں پھینک کر باپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ (229)

یعقوبؑ کو یوسفؑ نظر نہیں آتا وہ بے قرار ہو جاتے ہیں اور اس بے قراری اور بے بسی میں سوالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

یوسف نام میرا پت سوہناں نور دیاں رخ چمکاں
جنتیاں دا نقشہ نوری دیکھاں چشم نہ جھمکاں
فرزنداں لے میرے کولوں تس کھڑیا صحرائے
کھادس گرگ نشانی کڑتا خون آلود لیائے
غم اسدے وچ میریاں اکھیں کیا کہاں کی ہویاں
داغ سیاہوں غم دے پانی جھول ندی وچ دھویاں
یوسف دے میں وچ وچھوڑے طلب دلے تسکینوں
بنیامینوں ماہ جبینوں کردا صاحب دینوں
(230)

کتنی درد بھری چٹھی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے دل کے اس درد سے آنکھوں میں ہی آنسو نہیں نکل رہے بلکہ اس چٹھی کے الفاظ اور سطروں میں آنسوؤں کا سیلاب بہتا ہے۔ وہ بیٹوں کی جدائی میں اپنے دل کا حال بیان کرتے ہیں۔

خط میرے دیاں سطراں اندر نیر وگے جیوں کانگاں
وگن قلم دیاں نوکاں سینے وانگ غضب دیاں سانگاں
ملکے مصر چڑھاندیاں ٹھاٹھاں نیل ندی دیاں لہراں
وچ کنعان اساڈے اکھیں وگدیاں خونی نہراں

(231)

یہ دو اشعار کیا ہیں؟ یعقوبؑ کے دل کے درد کی آگ کے شعلے ہیں۔ یوسفؑ تو پہلے ہی باپ کی جدائی کے غم میں بے حال تھے۔ انہوں نے یہ خط پڑھا تو اُن کا یہ حال تھا۔

جتھے جتھے یوسف لکھیا نامے دے وچکارے
قطرے خون دو چشم پدر دے پے ڈھٹھے اتھ سارے

(232)

زلیخا یوسف کی جدائی میں مر کے اپنی روح کو تسکین دینا چاہتی ہے اُس کے جذبات جنون کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔

چھاتی تے چا اسپ چڑھاؤ کہے سپاہیاں تائیں
یوسف دی وچ فرقت موئی کہن لوک کدائیں
جاں اوہ گھوڑا یوسف والا دھرتی سنب وجاوے
چھاتی وچ زلیخا اپنے سٹ وجیندی پاوے

(233)

زلیخا کو یوسف کا یہ سوال سن کے غشی آ گئی ہوش آئی تو یوسف کو سارا حال سنایا اُس کے جذبات اُس وقت بالکل فطری ہیں۔

کون ہوواں میں کون سداواں کون نہیں میں کائی
میں خود کون نہیں کی دساں خود تھیں اج پرائی
کون کوئی توں پچھیں مینوں میں بلہاری جاواں
کون کوئی میں ہو کے تینوں اپنا حال سناواں

(234)

سراپا نگاری

احسن القصص میں ہمیں سراپا نگاری کے بھی خوبصورت نمونے ملتے ہیں جو کہ شاعر کے تخیل کی پرواز کا پتہ دیتے ہیں۔

بازغہ کے سراپے میں نمونے کے طور پر چند شعر دیکھیں۔

پہلی عمر کنواری رعنا سرو چمن دا پورا
زہد لٹے تے صبر لٹاوے اس دا ناز نہورا
جدوں نقابوں اکھیں کھولے تیر چھٹن دو غمزے
بھواں کماناں چشم دو ناوک آب نشہ وچ رمزے
ساقی نین خماریاں والے بھر بھر دیہن پیالے
ابرو جھکے کماناں گوشے تھوڑا فرق وچالے

(235)

منظر نگاری

شاعر کے تخیل کی بلندی اُس کے منظر نگاری کے انداز سے بہت اچھی طرح دیکھی جا سکتی ہے۔

باغ عجب اوہ جسدا ثانی ہوگ نہ کسے کوٹے
ہرے بھرے وچ جوش جوانی اس وچ نازک بوٹے
ریحاں عطر کھلار چڑھایا پنکھیاں وچ دماغے
تارے کھول اوگھاڑ دیکھاوے چنبیلی وچ باغے
صبح ہوندی نوں نازک غنچے ہس ہس گلاں کردے
لارے لا ستاون بلبل شوق طلب دے در دے
نرگس چشم اوگھاڑ نہ دیکھے فتنہ نظری آوے
شب دیاں خواب آلودہ اکھیں نظر پون شرماوے

گلناراں دیاں خونی شکلاں گل لالہ پر داغوں
سورج مکھی سیاہی راتے لبھے نور چراغوں

(236)

منظر نگاری کی اور بہت سی خوبصورت مثالیں پوری کتاب میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ محبوب کی جدائی سے نڈھال زلیخا باغ کی سیر کر کے اپنا غم غلط کرنا چاہتی ہے۔ شاعر کی قدرت کلام اور منظر نگاری کے فن سے آشنا ہونے کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ چمن میں بہار اور زلیخا کے اندر فرقت کے جذبات کو ساتھ ساتھ ہی بیان کر رہے ہیں۔ گویا مولوی صاحبؒ نے فطری منظر کو انسانی جذبات سے مربوط کر دیا ہے۔

سیر چمن تھیں دل نے پایاں رمزاں ہور ودھیرے
نرگس برگ ڈٹھے دل گزرے اوہا نین لٹیرے
سرو آزاد سندی آزادی دیکھ غشی وچ آئی
تے دلبر دی بے پروائی لوں لوں وچ سمائی
سرخ گلاں تے بلبل روندی کردی کھڑی سیاپے
ایہہ سر مار کہے ہتھ دوویں نج جنیندے ماپے
ملے مثال سجن دیاں منداں دیکھ چنبے دیاں کلیاں
دیکھ شقائق دے رخسارے دل وچ لاٹاں بلیاں
گل لالے دی خونی صورت کھل پئی وچ سینے
سینوں داغ برہوں گل سینے جھاڑے نقش نگینے

(237)

اظہار اور ابلاغ کے سلسلے میں یہ شعر بہت بلند ہیں۔ الفاظ اور معنی کی مطابقت موزوں اور مناسب الفاظ کا استعمال، وزن کا ترنم ان ساری چیزوں نے مل کر اس منظر کو بہت خوبصورت اور بلند کر دیا ہے۔

تخیل

احسن القصص کا شاعر ایسا عظیم فنکار ہے جو محض کسی حقیقی واقعے کا ہی بیان نہیں کرتا یا کسی باہر کی چیز کی نقل اور ترجمانی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اُن کو اپنی فکر اور سوچ کے نظام میں ترتیب دے کر ایسے بیان کرتا ہے کہ جس کے ساتھ ان واقعات اور چیزوں کی ہمہ گیر حقیقت آنکھوں کے سامنے گھومنے لگ پڑتی ہے۔ یہی چیز فنکار کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ لکھتے چلے جاتے ہیں اور قلم ہاتھ سے نیچے نہیں رکھتے خیال جب اُن کے دل سے اٹھتا ہے وہ ایسا طوفان بن کے چلتا ہے جس میں شاعر کو بھی اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ جس راستے پر بھی چل پڑتے ہیں کوشش کرتے ہیں کہ اُس کے آخر کو ہاتھ لگا کر ہی پیچھے مڑیں۔ اُن کی فکر اور سوچ کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ اس داستان میں ہمیں کوئی ایسا مضمون نہیں ملتا جو اُن کی قلم پے چڑھ کے انسانی فکر کے آسمانوں تک نہ پہنچا ہو اُن کے خیالات کو عقل سے دیکھئے تو عقل کے سر کو چکر آ جاتے ہیں۔ (238)

خاتمہ الکتاب میں وہ اپنے ناظر کو اس طرح کہتے ہیں۔

اے ناظر کر غور وڈیرا دیکھ سخن دیاں لہراں
ایہہ گلشن بُستان ارم تھیں شوق وگن وچ نہراں
ایہہ گلزار بہار عنایت کھلی لطف الٰہوں
عشق موثر نظری آیا درد بھری اس آہوں

(239)

یوسفی حسن کی نورانی چمک جب مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے خیالات سے پیار محبت رچ بس گئی تو مولوی غلام رسول صاحبؒ نے اس کو نبھانے کیلئے پنجابی نظم کی لڑی میں اپنے درد دل کے ساتھ خوب خوب موتی پروئے ہیں۔ یوسفؑ کے حسن میں تخیل کی اُنچائی دیکھیں۔

چشم سیہ وچ رمزاں قاتل کھولن زخم نہانی
چمک سیارے انور وانگوں جھات گھتے جگ فانی

بنی نیزہ نور اچھلدا دیکھ نظر جل جاندی
دو ابرو پیوستہ دے وچ رشکوں جھڑدی جاندی
نرگس برگ کہاں کیا نازک ہرن تکے شرماوے
کون دلاور ہو مقابل ذرا کہ نظر ٹکاوے

(240)

الفاظ اور معنوں کی مطابقت

مولوی صاحبؒ الگ الگ الفاظ کے درمیان اپنے چنے ہوئے الفاظ کو رکھ کے اُن کی صوتی خوبیوں پر غور کرتے ہیں پھر اُن کی ترتیب پر غور کرتے ہیں۔ اُس کی آواز کے اتار چڑھاو کو دیکھتے ہیں اور نہایت اختصار سے جو کہ کلام کی جان ہوتا ہے اپنے مطلب کو سب سے قریبی راستے کے ذریعے قاری کے ذہن تک پہنچاتے ہیں۔

جس نوں یار وکیندا لبھے قیمت ہو وس پلے
اسدے جیڈ نہ طالع والا اسدے کرم سولے
ان ڈھیاں دا شوق جنہاں نوں ان ملیاں دی یاری
ایتھے دل دیاں دل نوں ضرباں وجدیاں بے وس کاری

(241)

مولوی صاحبؒ نے الفاظ اور ترکیبوں کو نئے انداز سے بیان کیا ہے۔ زلیخا کی حالت کو حروف تہجی کے سہارے جس طریقے سے بیان کیا ہے اس کے اندر بیان کا حسن بہت ملتا ہے۔

نمونے کے طور پر کچھ شعر دیکھیں۔

اک دیدار کرن نوں ترسے اکھیں نظر نہ آوے
الفوں بے تک غمدے جھیڑے کر کر زار سناوے
الفوں اگ برہوں دی چمکے بے بریاں کر ٹی
تے تڑفاں ٹے ثابت ناہیں جیم جلاں غم لٹی

ے حرام ہوئے سکھ میںنوں نے خواری پائی
دال دکھاں نے توڑ گوائی ذالوں زبح کرائی
(242)

تشبیہات اور استعارے

احسن القصص کے شاعر مولوی غلام رسول عالپوریؒ کی تشبیہات اور استعارے، بہت خوبیاں اپنے اندر رکھتے ہیں۔اُن کے ساتھ کلام کی سجاوٹ بھی ہوتی ہے اور معنوں کی وضاحت بھی۔

لعل بدخشاں وانگوں دکے سر انگشت عنابی
چہرہ چندوں دون سوایا جیوں روشن مہتابی
چوداں برس عمر دی بالی ظاہر نظری آئی
زہرہ وانگ فلک دے سر تے دیوے حسن دکھائی
(243)

مولوی صاحبؒ کی تشبیہات میں ایسی مکمل تصویر ہے کہ اُس میں کسی طرح کا نقص یا کمی نظر نہیں آتی۔مولوی صاحبؒ نے ایسی تشبیہات بھی استعمال کی ہیں جو قاری کو نئی حقیقتوں کی طرف لے کر چلتی ہیں۔اُنہوں نے تشبیہات میں نیا پن بھی پیدا کیا ہے۔بازغہ کا حسن اس طرح بیان کرتے ہیں۔

زلفاں ناگ سیاہیاں ظالم ماندریاں کٹ کھاون
جنگاہیں میدان برہوں دے کارمکند لیاون
مشاطہ سومنتر پڑھ کے زلفاں نوں ہتھ پاوے
اجے ڈرے مت انگلیاں نوں ظلم کرے کٹ کھاوے
نور رخوں لشکار دنداں تھیں لین ادھار سیارے
قوس قزح دو ابرو اگے کھاوے جھول ہلارے
(244)

صنائع و بدائع

مولوی غلام رسول عالپوریؒ کے کلام میں بہت صنعتیں ملتی ہیں قاری کی توجہ معنی اور مفہوم کی طرف ہی رہتی ہے اور کہیں بھی لفظی شعبدہ بازی کا خیال نہیں آتا۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ کے علم وفضل کا یہ حال ہے کہ وہ جس طرف بھی رخ کرتے ہیں کمال ہی کر دیتے ہیں زلیخا کے گلے شکوے بہت خوبی سے بیان کرتے ہوئے صنعت تثلیث سے کام لیا ہے۔

واہ قسمت میں کی کجھ منگیا آخر کی کجھ پایا
خالی رہی مراداں روندی دکھ دونا ہتھ آیا
فضل کرم تھیں باراں منگدی پے پلے تن کانے
تتے زخم لگے تن میرے غم، دکھ، درد پُرانے

(245)

حضرت مولوی غلام رسولؒ کی خوبی یہ ہے کہ اس کیچڑ میں ایک حد تک شعریت کے دامن کو لت پت ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند مقام ملاحظہ فرمائیں۔

زلیخا کو خواب میں یوسفؑ اپنا مصر کا پتہ بتاتے ہیں۔ وہ نہایت شوق و اضطراب سے مصر پہنچتی ہے۔ وہاں جس شخص کو وہ اپنے خواب کی تعبیر خیال کرتی تھی، دیکھتی ہے تو شکل وصورت میں جمالِ یوسفی کی کوئی شعاع نظر نہیں آتی۔ اسکی حیرت و مایوسی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ یہاں شاعر صنعتِ تضاد کے دریا بہا دیتا ہے۔

دیکھ عزیز مصر دے تائیں ، کوک کہے اوہ ''ناہیں''
آہ بھری غم ہوش گوائی ، پائی سُرت کداہیں
دیکھ کہے جو خوابے ڈٹھا ، ایہہ اوہ نہیں بیچارا
اوہ خورشید فلک تھیں انور ، ذرہ ایہہ نکارا
اوہ شربت ایہہ کوڑا پانی ، اوہ حلوا ایہہ موہرا
اوہ شعلہ ایہہ دھواں بے سر ، اوہ چنبا ایہہ بھورا

اوہ مصری ایہہ کوڑا تُمّاں ، ایہہ ہے غم اوہ شادی
اوہ دوست ایہہ دشمن میرا ، ظالم چور فسادی
اوہ خود نور ایہی اندھیرا شہد اوہا ایہہ مکھی
ایہہ کنڈا اُوہ گل تھیں نازک جس وچ خوبی رکھی
اوہ صحت تے ایہہ بیماری ، اوہ مرہم ایہہ کاتی
اوہ گوہر ایہہ سنگ غضب دا ، آن وجا وچ چھاتی

(246)

یہ سلسلہ بھی دور تک چلا گیا ہے لیکن کہیں طبیعت میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

صنعت تکرار

اس صنعت کی ایک اور صورت یہ ہے کہ بعض اشعار میں وہ ایک لفظ کی تکرار کرتے جاتے ہیں اس تکرار سے شعر کا حسن بھی بڑھتا ہے اور جس بات پر زور دینے کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی پوری ہو جاتی ہے۔ اس لفظی تکرار کی بہت سی صورتیں احسن القصص میں مل جاتی ہیں مگر جو زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہیں ان میں وہ شامل ہیں جہاں ایک لفظ یا کلمے کو مصرعوں کے شروع میں بار بار دہرایا جاتا ہے۔

میں چاہیا وچ درد تیرے دے نہ پھس مراں کتھائیں
توں کہیہ گیوں نہ ہلیں عشقوں ، ثابت قدم ٹکائیں
میں چاہیا ایہہ عہد برہوں دا توڑ اُڈاواں وائیں
توں کہہ گیوں نہ ہاریں قولوں جاویں متاں ازائیں
میں چاہیا میں تینوں آکھاں زخم فراق گوائیں
توں کہہ گیوں نسیں جے زخموں داغ لگے تہ تائیں

(247)

یہ ''میں چاہیا'' اور ''توں کہیہ گیوں'' کا سلسلہ دس گیارہ اشعار تک چلتا ہے۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں وہ مصرعے ہیں جن میں ''یوسف دی اوہ وچ جناب'' بار بار اشعار میں استعمال کیا جاتا

ہے یا پھر ''اک کہے میں'' بھی بار بار ظاہر ہوتا ہے اور ان سب سے بڑھ کر سوال جواب کی صنعت میں '' کہے زلیخا'' اور ''یوسفؑ کہے'' یا پھر ''یوسفؑ پوچھے'' اور ''کہے زلیخا'' کے سلسلے احسن القصص کے کئی کئی صفحات پر پھیلے ہوئے مولوی صاحبؒ کے فن کو سلام کرتے ہیں اور جہاں یہ سلسلے ختم ہوتے ہیں اُن کے ساتھ ہی ان کے الٹ ''فرمایا دس'' اور ''عرض کرے''۔ اب اس سلسلے کی مختلف مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

جس دن دا توں میرے اُتے غمزیوں وار چلایا
مینوں صبر آرام تسلی خوابے نظر نہ آیا
جس دن دا میں تینوں ڈٹھا اپنا آپ بھلایا
جس دن دا میں تینوں پایا خود نوں روڑھ وگایا
جس دن دا وچ سفنے میں تے گھت گیوں چمکارا
تِس دن دا طوفان اکھیں تھیں کھل پیا سو یارا
(248)

اگلا نمونہ دیکھیں۔

دیکھوں اس ناز سُتی نوں مُب چواتیاں لائیاں
دیکھوں اس بے پروائیاں پھیر نہ جھاتیاں پائیاں
دیکھوں ایہہ رہزن میرا مال میرا لٹ بیٹھا
دیکھوں ایہہ دلبر میرا دل میرا گھٹ بیٹھا
دیکھوں ایہہ دل دا چارہ دے گیا نسخے چارے
خوف رجاتے حسرت چا وچ بھر گیا مقصد سارے
دیکھوں ایہہ نور حقیقی ہر مشہد سر چھایا
پہن تشخص دا پیرایا بن بن بہے پرایا
(249)

ایک اور مثال دیکھیں۔

یوسف دے من موہن کارن ساریاں واہاں لائیاں
یوسف دی اوہ وچ جنابے کے شمار نہ آئیاں
پُر خونوں کر اکھیں دونویں جھاک زلیخا دیکھے
یوسف دی اوہ وچ جنابے کے نہ آئیاں لیکھے
حسن ندی دیاں لہراں اُتے اُس دے رُڑھے خزانے
یوسف دی اوہ وچ جنابے کے نہ شان گمانے
(250)

ایک نمونہ اور ملاحظہ فرمایئے گا۔

اک کہے لے دیکھ جوانی میں پر آئی ہوئی
ذوق طلب نے مستی خوابوں تب جگائی ہوئی
اک کہے میں پری نہیں پر پریوں پرے پریرے
مینوں کرن سلام ہزاراں پریاں اُٹھ سویرے
اِک کہے میں نازاں والی میری چال نرالی
گل لالہ لے گیا اساں تھیں منگ دو لب دی لالی
(251)

اگلی مثال دیکھیے۔

کہے زلیخا یوسف تیری واہ صورت نورانی
یوسف کہے جیویں رب بھانی اک دن ہوسی فانی
کہے زلیخا یوسف تیتھیں روشن نور چمک دا
یوسف کہے بناون ہارا سرجنہار فلک دا
کہے زلیخا دونویں تیرے گل نازک رُخسارے
یوسف کہے اجیہے کتنے صاحب دی گلزارے
(252)

اسی سلسلے کی ایک اور مثال۔

یوسف پچھے دس زلیخا کدھر گئی جوانی
کہے زلیخا عشق تیرے تھیں کر چھڈی قربانی
یوسف پچھے دس زلیخا دنداں سلک کتھائیں
کہے زلیخا گھس گھس ٹٹے کر دیاں وصل دعائیں
یوسف پچھے دس زلیخا کتھے تیریاں شاناں
کہے زلیخا اوہ دن گزرے بدلیا ہور زمانہ
(253)

ایک خوبصورتی اور ملاحظہ فرمایئے۔

فرمایا دس کون کریندا اج تیری غم خواری
عرض کرے غم درد وچھوڑا تے ایہہ گریہ زاری
فرمایا دس اج زلیخا کس نوں کریں ندائیں
عرض کرے دربار خدا دے میریاں سوز دعائیں
فرمایا دس اج زلیخا نال کہدے پیوندی
عرض کرے دکھ لگے مینوں میں دکھاں دی بندی
(254)

اعداد

ایک موقع پر تین کا عدد نئے نئے مضامین کے ساتھ وارد ہوا ہے جو شاعر کی طبع اور روانی کا کھلا ثبوت ہے۔زلیخا کہہ رہی ہے۔

فضل کرم تھیں باراں منگدی ، پَٹے پلے تن کانے
تِنے زخم لگے تن میرے ، غم ، دکھ ، درد پرانے

تینے مینوں خواباں آئیاں ، تینے سختیاں پائیاں
مدت روئی ، قیدی ہوئی ڈھوئی ول ایذائیاں
تنے حرص ہوا ہوس دے تنے خالی سارے
ایتھاں تناں میں ملکوں پٹی لا لا گوڑے لارے
(255)

بے نقطہ اشعار

آگے بے نقطہ اشعار آتے ہیں نمونے کے طور پہ۔

لکھ کروڑ طمع دا طمعہ دل طماع ہمارا
اک سوال محال وصل دا کردا حال آوارہ
موڑ مہار کرم کر اکدم ہس رس مل دلدارا
رکھ مسلم عہد اساڈا روڑھ گوا دکھ سارا
(256)

نقطہ داراشعار

نمونے کے طور پر دو شعر جن کا ہر حرف نقطہ دار ہے۔

نج جنی جن جنی تتی نی بخت پٹی ، بُت چینی
شب خیزی بے چینی تیزی ، جیں تن نقش جبینی
نین تپن تپ چجن ، شفق تے تیں نت تخت نشینی
بخشی پیت پچی تیں جے تے زینت زیب یقینی
(257)

سیاق الاعداد

کراں علاج پوے بیماری اک تھیں دو ہو جاون
دونہہ تھیں چار، چوہاں تھیں دو سو پھیر نہ گنتی آون
(258)

صنعت تاریخ

1۔معنوی تاریخ

احسن القصص دھر نام قصے دا میں لکھیا تن واری
پورا سال ہویا تصنیفے نال ربے دی یاری
(259)

لف ونشر

1۔لف ونشر مرتب

جل جل جانھ قلم دیاں نوکاں پڑے ہون زباناں
حرف لکھن یا کہن کدائیں نال کلام بیاناں
(260)

تلمیح

چا پردہ جے گھات وگاویں پتھر نوں اگ لاویں
تے ہر برگوں لاٹ چھوڑاویں لکھ لکھ طور جلاویں
(261)

جمع تفریق

نازوراں دی گردن اتے پیر دھرے لکھ واری
تے شب یلدا زینت کارن منگے زلف ادھاری
(262)

حشو

بیٹیاں جاتا باپ اساڈا دنیا چھوڑ سدھایا
اسیں برے، کم مندا کیتا، وڈا ظلم کمایا
(263)

ترنم

شعر و ادب میں الفاظ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ادیب یا شاعر ان کے ساتھ ہی اپنے کلام میں اثر پیدا کرتا ہے۔ الفاظ ہی اس کے اظہار کا ضروری وسیلہ ہوتے ہیں۔ اظہار میں اور چیزوں سے الگ وہ الفاظ کی صوتی تاثیر پر بھی آنکھ رکھتا ہے کیونکہ الفاظ کی آواز اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ شعر کے مجموعی آہنگ (Rhythm) میں الفاظ کی آوازوں کی حیثیت بڑی اہم ہوتی ہے۔

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے پاس ہم جس صوتی اثر کی توقع اور امید رکھتے ہیں وہ یہی ترنم ہے۔ احسن القصص کی شاعری ایسی خوش الہانی کے ساتھ ساتھ چلتی نظر آتی ہے۔ (264)

ملاحظہ فرمائیں۔

رین نہ مکے نین نہ سکے چین نہ ڈھکے نیڑے
غم دیاں آہیں گھدیاں ناہیں کیتیاں غم دے جھیڑے

ایک اور نمونہ حرف علت ی کی تکرار بھی بہت خوبصورت ترنم پیدا کر رہی ہے۔

ہو بردے دی بردی مردی خبر نہ رکھے گھر دی
سب لکائی طعنے کردی ایہہ جردی دم بھردی
(265)

ہجو و ذم

مدح و ستائش شاعروں کا عام مضمون ہے۔ غزل معشوق کے حسن و جمال کی مدح ہوتی ہے اور قصیدہ ممدوح کی شان و عظمت اور کمال و ہنر کی توصیف پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر ہمارے شعرائے قدیم و جدید نے اتنے دفاتر فراہم کر دیئے ہیں کہ شمار نہیں کئے جا سکتے۔ ہر نیا شاعر جو اس میدان میں قدم رکھتا ہے اس کو پہلے سے مضامین کا بے انتہا ذخیرہ مل جاتا ہے۔ عموماً اس میں ردوبدل کر کے وہ اپنی شاعری کی دکان سجا لیتا ہے۔ اس کے برعکس ذم یا ہجو ایک ایسا موضوع ہے جس پر قلم اٹھانے کے لئے شاعر کو اپنی فطری ذہانت سے کام لینا پڑتا ہے۔ بہت تھوڑے شاعر صحیح معنی میں ہجو کا حق ادا کر سکے ہیں۔ عام طور پر ہجو گو ابتذال اور فحاشی کی کیچڑ میں لت پت ہو جاتا ہے۔ مدح اور ذم میں ایک

فرق یہ بھی ہے کہ ایک ہی مدح قریب قریب بہت سے ممدوحوں پر صادق آ سکتی ہے۔ حسن کی تعریف میں دنیا بھر کے حسین شریک کیے جاسکتے ہیں لیکن ذم کے لئے ایک شخص خاص کی تصویر کھینچنی پڑے گی۔ دوسرے قابلِ ذم اشخاص پر ضروری نہیں کہ صادق آ سکے۔ خوبیاں عام انسانوں میں مشترک ہوتی ہیں اور برائیاں عموماً اپنی اپنی الگ الگ ہوتی ہیں۔ اگر چہ بعض ہجویں بھی مشترک اور عام ہوسکتی ہیں لیکن قابل شاعران میں بھی اپنی انفرادیت قائم کرلیتا ہے۔ دیکھتے ہیں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اس معیار پر کیا انداز اختیار کرتے ہیں۔ یہاں ایک مکارہ دائی کا سراپا بیان کیا ہے جو زلیخا کو تسلی دے کر یوسفؑ کو بہکانے کیلئے آتی ہے۔(266)

مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

نویں چڑیل ، پرانی آفت ، تن ہلکا ، رگ بھاری
دوہرا قد اکاہرا چمڑا ، موٹھک دیہی ساری

شعر پر سے یونہی نہ گزر جایئے۔ ذرا غور کریں کہ شاعر نے اس میں کیا کیا لفظی ومعنوی صنعتیں بھر دی ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے سامنے تضاد وتقابل کی صنعت آئے گی۔ ایک شعر میں چھ لفظ اس صنعت کے حامل ہیں۔ نئی، پرانی، ہلکا، بھاری، دوہرا، اکاہرا پھر یہ لفظ اتنی بے تکلفی سے آئے کہ شعر پر بوجھ نہیں بلکہ جانِ شعر معلوم ہورہے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی نکال دیجئے پیکرِ شعر کا ایک اہم عضو کٹ جائے گا۔ آگے بڑھئے تضاد کے مقابلے میں تناسب دیکھئے چڑیل اور آفت، تن اور رگ، قد اور چمڑا، موٹھک (مشت بھر) اور دیہی (پورا جسم) مناسبات کی بہار دکھا رہے ہیں۔ اب اس مکارہ عورت کی تصویر سامنے آجاتی ہے یعنی وہ ایک تازہ دم چڑیل تھی جو فوراً اپنے شکار پر جھپٹنے والی تھی اور اس قسم کے تجربات کے لحاظ سے پرانی آفت تھی۔ اس کی ظاہری حالت یہ تھی کہ عمر رسیدگی اور رنگ رنگ کے حیلے اور داؤ سوچتے رہنے کی وجہ سے اس کا جسم ہلکا پھلکا اور رگیں اُبھر آئی تھیں۔ قد لانبا ہوکر کبڑے پن کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ کھال بالکل پتلی، گویا سارا بدن مٹھی بھر تھا۔(267)

تن پیلا تے نیلیاں ناڑیں ، زلفاں تے چٹیائی
بھری فریبوں ، خالی زوروں ، طاقت بدن نہ رائی

عمر بڑی تے آس چھوٹیری ، قدم نکے دم لے
سدھے وال تے ونگیاں ہڈیں ، بے وس جوڑ نکے
اُچے ہڈ تے بینویاں گلھاں ، تن منقوش جریدہ
پر دل وانگ ترکلے قامت ، پر وچ چکن کشیدہ
جھمدیاں دا وال نہ کوئی ، بھواں بھوائیاں ہوئیاں
داغ سیاہوں دونویں اکھیں ، کھنب چڑھائیاں ہوئیاں
گردن ٹوئے اگے پچھے ، کرد وگائی ہوئی
جھل بڈھیپے نے وچ چہرے ، گرد اڈائی ہوئی
(268)

نادرتشبیہات

ماس پرانے کاغذ والی ، صورت پائی ہوئی
پسلیاں دے دوہیں پاسیں مسطر لائی ہوئی
دو پستان وڈیریاں مشکاں ، آب نچوڑے ہوئے
اک رگ شکم ہتھاہاں دھیا ، تونبے توڑے ہوئے
کن ننبو دیاں چھلاں ورگے ، نک سکا ، سُک کالا
تنگ متھا منہ حدوں کھلا ، جس وچ جیبھ توالا
داہڑاں دا کجھ پتا نشانی ، لبھدیاں ہتھ نہ آوے
جیبھ ہلے جیوں وچ سوراخے چوہا پوچھ ہلاوے
(269)

عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف

عورتوں کے حسن کی تعریف میں مولوی صاحب کا کوئی ثانی نہیں۔ داستان امیر حمزہ میں جب کسی عورت کے حسن کی تعریف بیان کرتے ہیں تو آپ کا قلم بے قابو ہو جاتا ہے۔ بقول عالم اردو فارسی اور پنجابی ادب کے مطالعہ میں ایسی تعریف میری نظر سے نہیں گزری ایک آدھ عورت کے حسن کی تعریف تو شاعر مزے لے کر بیان کر ہی دیتا ہے جیسے وارث شاہ نے ہیر اور میاں محمد نے بدیع الجمال پری کی تعریف بیان کی ہے لیکن اگر درجن بھر عورتوں کے حسن کی خوبی بیان کرنی پڑے تو پھر شاعر کیا کرے۔ مولوی صاحب کا ہی کام ہے کہ وہ یہ مشکل فریضہ انجام دیں۔ انہوں نے جنگ امیر حمزہ میں درجن بھر عورتوں کے روپ کا نکھار بیان کیا ہے۔ ہر بار نئی تشبیہیں اور نئے ہی استعارے استعمال کیے ہیں پھر وہ تشبیہات اور استعارے اس عورت کے ماحول اس کے رہن سہن کے حساب سے آئیں گے۔ پھر یہ نہیں کہ دو چار شعر لکھ کے بس کرنی ہے بلکہ دو دو چار چار صفحات بلا تکلف لکھ جاتے ہیں۔ پھر عام شعراء کی طرح نہیں کہ ایک نئی تشبیہ کسی شاعر نے استعمال کی ہے اور پھر اس کے بعد آنے والے شعراء اسی تشبیہ کو ہی استعمال کرتے رہیں۔ (270)

نمونے کے طور پر آپ کے چند اشعار دیکھیں۔

آہا والی ملک دا جس دا نام ہروم
آہے اس دے زور دی ملکاں دے وچ دھوم
گھر اسدے اک بھین ہے جس دے زیبا نین
عین غین دو پھرکدے جاگدیاں لٹ لین
نازل ہوئی جنتوں گویا حورالعین
دام دلاں دیوانیاں خم زلفوں زلفین
زلفاں دے وچ مصرعاں والوں لفظ مبین
لفظی تے وچ معنوی صفت آہے رنگین

لف و نشر مرتیوں ہر میڈی کج دار
گت مرصع ڈوریوں تے متلون ہموار
زلفاں دی تجنیس تے شاہد تارو تار
ترصیعوں توشیح تھیں معنی ہارو ہار
آہ زلف ول حلب دے ہے حسن تعلیل
کہے صفات مبالغہ ایہ ایہا لم دلیل

(271)

ان اشعار میں شاعر نے کئی شاعری کی صنعتیں استعمال کی ہیں جیسے لف ونشر مرتب' مرصع' توشیح' حسن تعلیل مبالغہ یہ تشبیہات کی ایک نئی قسم ہے جس کے بانی اور خاتم مولوی صاحب ہی ہیں۔ آپ بعض جگہوں پر عام استعمال ہونے والی تشبیہات بھی استعمال کرتے ہیں مگر پھر بھی اپنا جوہر دکھاتے ہیں۔

بالوں کی تعریف

زلفاں ناگ سیاہ سی پر کنڈل خمدار
گویا کارن عاشقاں دھرے کمند ہزار
یا سر آب حیات دے ایہہ زلفاں ظلمات
پار ہووے ظلمات تھیں وصلوں ملے نجات

(272)

بھوؤں کی تعریف

نوک سناں ہلال دی جھمیاں دے وال
گرد بگرد بلائے دے نیزے پالو پال

(273)

رخسار کی تعریف

سورج وانگوں چمکدے رخسارے پرنور
لاٹ برہوں وچ دمکدے آفت بھرے تنور

(274)

ناک کی تعریف

بینی نیزہ نور دا اچھل کانگ وگے
دیکھ متاں مر جاوسیں جاں ایہہ سانگ وگے
(275)

منہ کا چھوٹا ہونا

مونہہ نقط پرکار دا انہویں بے معلوم
ناں موجود دساوندا نہ بالکل معدوم
تنگ جیویں دل شوم دا یا ظالم دی گور
یا مفلس دی روزیوں تنگ ذرا کجھ ہور
(276)

کمر کا پتلا ہونا

باریکی وچ شعر تھیں کم ذرا باریک
شک پوے دل دیکھیاں ہے یا نائیں ٹھیک
ہار گلے یاقوت دا پالیندی سووار
جے نہ ٹٹن کمر دا ہوندا خوف وچکار
(277)

تشبیہ کے فن میں نئے و پرانے شاعروں نے اپنا کمال دکھایا ہے اس وقت ایک واقعہ یاد آرہا ہے جس کے راوی علامہ عرشی صاحب ہیں علامہ صاحب نے بتایا کہ مولانا غلام قادر گرامی جالندھری مرحوم نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ نظام حیدر آباد دکن نے مجھے کہا کہ کوئی ایسی مثنوی لکھو جس میں کوئی پرانی تشبیہ نہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ ایک ہی قسم کی تشبیہات نئے اور پرانے کلام میں پڑھ کے طبیعت تنگ آگئی ہے اس لئے نئی اور نرالی تشبیہات استعمال کرو گرامی صاحب کہتے ہیں میں نے ایک مثنوی لکھی جس میں تمام نئی تشبیہات استعمال کیں۔ جس کا لکھاری کو صرف ایک شعر یاد آرہا ہے۔ (278)

کمر باریک چوں فکر نظامی
دہانش تنگ چوں دست گرامی

ترجمہ: کمر اتنی باریک تھی جس طرح نظامی کی فکر ہے اور اُس کا منہ اتنا تنگ جیسے گرامی کا ہاتھ۔

مولانا گرامی کو کیا خبر تھی کہ اُن سے پہلے انہی کے ضلع کے شاعر مولوی غلام رسولؒ یہ خلا پُر کر چکے ہیں۔ یاد رہے مولانا گرامی جالندھری مشہور ہیں حالانکہ وہ ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔

پاؤں کی خوبصورتی

پیر ملائم حلویوں تے رنگوں خوش رنگ
اطلس اپر جے چلے بھی ہون کجھ تنگ

(279)

ہاتھوں کا نازک ہونا

ہتھیں مہندی رانگلی پاوے نقش نگار
تلی حنا دے بھار دا مساں سہارے بھار

(280)

خوبصورت تشبیہات کا نظارہ۔

لک نظارہ ناز دا بے وس چھٹ پوے
بند زمین آسمان دا شاید ٹٹ پوے
جے اس نازک چشم تھیں ملے کدائیں آب
بڈھا ست سو سال دا غسل کرے وچ خواب
وڈا تک رکھاوندی خود بنی تھیں مست
خود بیناں دے دلاں نوں کرے جمال پرست

(281)

یہ تو تھی اونچے گھرانے کی عورتوں کے حسن کی تعریف اب آپ ایک بھیڑ بکریاں چرانے والی کے

حسن کی تعریف سنیں۔

زُلف اس دی اُن لیلیاں گھٹ ساون دی رت
وال سیاہ من بھاونے دل لے گئی اچھت
جیوں دم کالی بھیڈ دی محبوبہ دی گُت
بھیڈی پچھے لگیاں رہے اڑت کھڑت
تراکھیں ہر نوٹیاں نرم دتی دے لنگ
بھواں کماناں ونگیاں جیوں مینڈے دے سنگ
دودھوں چٹے دند تے نرم مکھن رخسار
بدن ملائیوں چیکنا روغن دھرے نتار
کمر چیتے دے ہان دی یا کجھ ودھ مہین
دو دنبے دیاں چکیاں سُرس دو سمیں سڑین
پھرے دوڑنگے مار دی مست پھٹورے ونگ
دل درداں وچ روہڑ دی حسن ندی دی کانگ
(282)

زلف کو بھیڑ کے چھوٹے بچوں کی اُون سے تشبیہ دینا کسی کو کب سوجھتا ہے پھر گُت کو بھیڑ کی کالی پونچھ سے رخسار کو مکھن جسم کو ملائی چوتڑوں کو دنبے کی چکیوں سے تشبیہ دینا یہ مولوی صاحب کا ہی کام ہے۔ آخر میں اُس بکری چرانے والی محبوبہ کے ٹہلنے کو بھیڑ کے بچے کے اُچھلنے کودنے سے تشبیہ دے کر کمال ہی کر دیا ہے۔ شاعری کی زبان میں اس بات کو محاکات کہتے ہیں یعنی شاعر جو چاہتا ہے اس کا نقشہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ ان اشعار میں جہاں نازک دیہاتی مُٹیار کی چلتی پھرتی تصویر آنکھوں کے سامنے آتی ہے وہاں ساتھ ہی اس کے جھنڈ کی بھیڑ بکریاں اور اُنکے بچے اچھلتے کودتے نظر آ رہے ہیں۔ شاعر کی اس کامیابی کی تعریف کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ (283)

چٹھیوں میں ہجرو فراق اور معرفت و الٰہیات

دردوفراق میں گرما کر لکھی اس چٹھی کو خطاب کرنے والے سچے اور پاکیزہ مسافر مولوی غلام رسول عالمپوریؒ ہیں جن کی مہک سے انسان فکراورفن کی نئی راہوں سے آشنا ہوتا ہے۔

جے ہیں یار میرا، میں ول کریں پھیرا، ایس جند دا کجھ اعتبار ناہیں
خاکی پُتلا کلا دا پنجرہ اے، اڈیا بھور تے پھیر درکار ناہیں
ایہہ کلا دی تار تے وجدا اے ، ٹٹی فیر مڑ وجنی تار ناہیں
جدوں فیر مڑ وجنی تار ناہیں ، ویلا ہنے ہے گھڑی ادھار ناہیں

(284)

ان چارمصروں میں مولوی صاحب نے اندرونی قافیے استعمال کر کے ایک نغمہ نمودار کرنے کی کوشش کی ہے۔مولوی صاحبؒ نے ان چٹھیوں میں جدائی کی نمی کی جس ٹیس کا اظہار کیا ہے۔وہ ان چٹھیوں کے ایک ایک لفظ میں محسوس ہوتی ہے۔یہ صرف محسوس ہی نہیں ہوتی بلکہ پڑھنے اور سننے والوں کی خودبھی آہیں نکل جاتی ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ سیدروشن علی کا نام تو یوں ہی بہانہ ہے اصل میں ان چھٹیوں کے ذریعے مولوی غلام رسولؒ نے اپنے اندر کی آگ کوالفاظ کا روپ دے دیا ہے۔یہ آگ چاہے سیدروشن علی کے لئے نہ ہی ہو یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آگ عشق حقیقی کے شعلہ سے پھوٹتی ہو جب طالب اپنے مطلوب کے عشق میں جل کرفراق کی آگ میں جلتا اور ملاپ کی خواہش کرتا ہے تو اُس کی چاہت بڑے بڑے انوکھے انداز میں سامنے آتی ہے۔یہاں دیکھیں مطلوب کی طلب میں طالب اپنے آپ کوخون کی ندی میں بہا کر مہندی کے درخت کوسینچتا ہےاور پھر خواہش کرتا ہے کہ کبھی یہ مہندی اُس کے مطلوب کے پیروں میں لگ جائے اوراسی طرح ہی اُس کا ملاپ ہو جائے۔مولوی غلام رسولؒ اس باریک اورلطیف خیال کو کتنے خوبصورت طریقے سے لاتے ہیں۔

ہوواں خون بہہ نین تھیں وگاں ، سارا رُکھ مہندی دے جڑیں ساوے نوں

رچے رنگ ہو برگ تے یار شاید منظور کرے پیریں لاونے نوں

اپنے دوست سید روشن علی کے نام خطوط میں اس درد کے الاؤ کا ذکر کئی جگہ فرماتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی غلام رسولؒ صاحب کو باطنی طور پر کچھ ذمہ داریاں سونپی گئیں تھیں جو انہوں نے اچھی طرح نبھائیں اور کچھ باتوں کا اظہار بھی انہوں نے مختلف شعروں کے ذریعے کیا کیونکہ یہ ان کی مجبوری تھی اپنی ولائت ظاہر کرنے کا شوق نہیں تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اساں عشق زنجیریاں گھت پیریں لکھیاں چھٹیاں درد سناونے نوں
تھیا تھئی نچایا اے سوز تیرے دھمک پئی جنون بلاونے نوں
بھریا دور شراب دا کل عالم ساقی اٹھیا جام پلاونے نوں
رخ ساقی دے جھلک وچ جام دتا پیون ہار دے روہڑ وگاونے نوں
سانوں درد دیاں لشکراں گرد کیتا اُڈ دا دیکھیا تساں غبار ناہیں
جیوں کٹک فرنگ دے مار دھاوا کابل چھڈیا سنے قندھار ناہیں
ایہ قلم سپرد میں ورگیاں نوں جند جنہاں دی تیغ دیاں دھاریاں تے
جیہڑے ٹُرے فناہ دیاں منزلاں نوں دفتر لد مصیبتاں بھاریاں تے

(285)

مولوی غلام رسولؒ کے شعر سنیں جو انہوں نے ایک دوست کو خط میں لکھے تھے۔

رو رو لکھیے چٹھیے درد بھریئے پتہ لگیں پردیس دے واسیاں دا
پھیرا گھت پرانیاں سجناں تے چل پچھ لے حال اداسیاں دا
اک حال پئے سڑ دے کالجے نیں سڑناں روتیاں جیویں اکواسیاں دا
لے جا سکھ سنیہوڑا دکھ والا اکھیں روندیاں دید پیاسیاں دا
جھوٹے عہد پیان لکھیندیاں نوں کہیں سامنے حال نراسیاں دا
پینڈے مک دے نئیں فراق والے دل ہو گیا نیل خراسیاں دا

عینوں غین مجوب برات پائی دکھ دیکھ وچھوڑے دے پھاسیاں دا
نفس الامر معاملہ جان بیٹھا چکنا چور خیال وسواسیاں دا
وے میں واریاں سوہنیاں کہاں کس نوں جا پے رازنوں راز اگاسیاں دا
بیٹھوں توڑ پریت دیاں رشتیاں نوں گیا اثر پرانیاں گھاسیاں دا
ساڈی زلزلہ ناک فریاد ولدی جاتا تساں کلیان مراسیاں دا
بے درد کیہہ درد دی سار جانن ماواں ماریاں خوف کیہہ ماسیاں دا
جنہاں درد دیاں لذتاں چکھیاں نے نہیں اونہاں نوں چاو خلاصیاں دا
نہیں جنہاں نوں چاو خلاصیاں دا فکر تنہاں نوں بے اخلاصیاں دا
فکر جنہاں نوں بے اخلاصیاں دا تنہاں حوصلہ کمکاں خاصیاں دا
سادات اکرام دی جد امجد شافع وچہ کونین ہے عاصیاں دا
(286)

مولوی غلام رسولؒ کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے کوئی قافیہ بھی زبردستی نہیں بنایا۔ نو قافیے وہ ایسے لائے ہیں جو بعض نقادوں کے ذہن میں نہیں آئے۔ جیسے اکواس' پیاس' خراس' پھاس' وسواس' اگاس' چھپاسی سے چھپاس' گھاس' ماسی سے ماس' نراس۔

اس سے فن شاعری میں مولوی صاحب کی قادرالکلامی ظاہر ہوتی ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے 140 اشعار کہے ہیں۔ جنہیں پڑھ کے حیرانی ہوتی ہے کہ آپ شاعر ہیں یا کوئی بہتا ہوا دریا جس کی روانی ختم ہی نہیں ہوتی۔

شجرۂ طریقت

مولوی صاحب کی تحریروں میں سے تازہ ترین دریافت آپ کا لکھا ہوا شجرۂ طریقت ہے۔ یہ شجرۂ طریقت ڈاکٹر زبیر رسول اور ڈاکٹر اویس رسول جو کہ سید نجم الدین کے پڑپوتے ہیں ان کے پاس خاندانی طور پر موجود تھا اور وہ مولوی صاحب کے خاندان کی تلاش کی جستجو میں تھے۔ 2009ء میں عالمپور ہائی سکول کی ہیڈ مسٹریس پرم جیت کور کے ذریعے اُنہیں راقم الحروف کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں تو ڈاکٹر زبیر رسول نے مجھ سے رابطہ کر کے یہ خوشخبری سنائی کہ مولوی صاحب کا لکھا ہوا شجرۂ طریقت اُن کے پاس موجود ہے اور وہ مجھ تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے میری دعوت کی اور کمال مہربانی سے یہ شجرۂ طریقت جو تقریباً 25 صفحات پر مشتمل ہے اور خاندانی طور پر اُنہیں جو معلومات حاصل ہیں اُس کے مطابق مولوی صاحب نے یہ شجرہ سید نجم الدین کے ایماء پر 14 سال کی عمر میں تحریر کیا اس حوالے سے یہ داستان امیر حمزہ سے پہلے کی تصنیف بنتی ہے یہ شجرہ اُردو، فارسی اور پنجابی زبان میں موجود ہے۔ پنجابی زبان میں مولوی صاحبؒ نے دو طرح کا انداز اپنایا ہے ایک مخمس میں لکھا ہے اور ایک مسدس میں۔ میں ان کے چند اشعار یہاں نمونے کے طور پر دے رہا ہوں۔

1)۔ شجرہ طریقت کا اُردو نمونہ دیکھیے

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ عبدالغفور اخوندؒ	الٰہی بحرمت شیخ المشائخ محمد شعیبؒ
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شاہ کمال کیتھلیؒ	الٰہی بحرمت شیخ المشائخ خواجہ محمد فضیلؒ
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شمس الدین صحرائیؒ	الٰہی بحرمت شیخ المشائخ سید شاہ عقیلؒ
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ عبدالرزاقؒ	الٰہی بحرمت شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانیؒ
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ ابوبکر شبلیؒ	الٰہی بحرمت شیخ المشائخ جنید بغدادیؒ
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ عبداللہ سری سقطیؒ	الٰہی بحرمت شیخ المشائخ معروف کرخیؒ
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حسن بصریؒ	الٰہی بحرمت شیخ المشائخ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہؒ

الٰہی بحرمت سیدنا و مولانا سید المرسلین امام المتقین شفیع المذنبین حبیب رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

2)۔ اب آپ فارسی میں لکھے گئے شجرۂ طریقت کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

بعد حمد ایزدی و نعت سرور سروراں
بشنو از عالمپوری نامہائے رہبراں

شاہ کمال و شاہ فضیل ست و گدائی شمس دین
شمس عارف ابوالحسن زگدائی رحمان شدعیان

سید محبوب سبحانی شاہ عرفانی شد از بوسعید
بوالحسن از بوالفرح کو بود از طرطوسیاں

شد حسن بصری زفیض مرتضٰی سیراب لب
سید کونین شاہ انبیاء احمد شفیع عاصیاں

3)۔ اب شجرۂ مخمس بزبان پنجابی کے نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

حمد الٰہی باجھ شمار	بہت درود نبی مختار
آل اصحاب سبھی ابرار	ورد جھاندا شام پگاہ

"لا الہ الا اللہ"

جوہر عرض وجود جہان	منبع جودو کرم دی کان
پاک محمد عین احسان	وچ نبیاں شہنشاہ

"لا الہ الا اللہ"

پاک رسول اللہ دے نور	کیتا وچ شان ظہور
ہویا علیؓ ولی بھرپور	دیکھن ہار پکاریا واہ

"لا الہ الا اللہ"

عشق علیؓ دی چڑھی بہار	عالم کر چھڈیا گلزار
بصرے دے وچ پئی پکار	شیخ حسن نے پایا راہ

"لا الہ الا اللہ"

کامل صفتاں تھیں موصوف — سرور کرخی ہے معروف
عہد وفا ول ہو مصروف — کرگیا سرکش نفس تباہ

"لاالہ الا اللہ"

شیخ جنید اندر بغداد — کرکے سبق وفا دا یاد
اہل دلاں نوں کر ارشاد — صدق وفا سر دھری کلاہ

"لاالہ الا اللہ"

نور معلی وچ زمین — قطب مدار امین مکین
عبدالقادر محی الدین — واہ وا واہ وا واہ وا واہ

"لاالہ الا اللہ"

فاروقی تریاق کبیر — شیخ احمد سرہندی پیر
ہر مسموم ڈٹھی تاثیر — رِس رِس مٹے دلاندے گھاہ

"لاالہ الا اللہ"

درد منداں دا خاص طبیب — وچ پشاور ہویا حبیب
جینوں اسدا فیض نصیب — اس تھیں ڈرے جہنم بھاہ

"لاالہ الا اللہ"

ہُن عالم وچ راہنما — سید نجم الدین علا
مثل صحابہ نجم ہدیٰ — شان کمالوں اسم گواہ

"لاالہ الا اللہ"

بعض عزیز کیتا ایما — ایہ شجرہ منظوم بنا
امر کیتا فی الحال ادا — دم بھر دا نہیں وساہ

"لاالہ الا اللہ"

یارب تیرا عبد جہول   عالپوری غلام رسول
کردا عرض کریں مقبول   رکھ سمبھال نزع دے ساہ

"لا الہ الا اللہ"

4)۔ شجرہ مسدس بزبان پنجابی کا خوبصورت نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

حمد دوامی نامتناہی   خاص خواص جناب الٰہی
اندر عین ظہور کماہی   ہر شے تھیں تس بے پرواہی
اسدے باجھ نہیں کو والی   حسبی ربی فی کل حالی

جدوں ظہور نہیں سی کائی   مادہ صورت علت غائی
کثرت وحدت وچ سمائی   اجے نہ جہات اولار وگائی
اقدس ذات صفات نرالی   حسبی ربی فی کل حالی

واجب نے نہ رنگ وٹایا   نا باہر تھیں ممکن آیا
اجے تعدد چھپا چھپایا   ہر اعتباری اسم دھرایا
کثرت وحدت نال اوجالی   حسبی ربی فی کل حالی

وحدت وچ کثرت اعتباری   ایسی کھیل رچائی بھاری
جو رُجھا اس کھیل کھلاڑی   سدھ بدھ ہار گیا او ساری
تے مُڑ پھیر نہ سرت سمبھالی   حسبی ربی فی کل حالی

نقش معلیٰ اول والا — ہر نقشوں ممتاز اوجالا
نام محمد عقل رسالہ — اوہو عرفاً قلم الاعلیٰ
امت خیر امم دا والی — حسبی ربی فی کل حالی

عشق علی دے کانگاں چایاں — سوز دلاندی تانگاں لائیاں
سینیاں وچ ندیاں اچھلائیاں — وگدیاں نہراں بھرے آئیاں
ملی حسن نوں خوش اقبالی — حسبی ربی فی کل حالی

پیر پیراں دا قطب ربانی — سید محی الدین جیلانی
جس تے کھلا فیض حقانی — غوث الاعظم ہے لاثانی
عشق پلائے جام وصالی — حسبی ربی فی کل حالی

شمس الدین گدائے چڑھیا — مرشد دے دروازے وڑیا
اوتھوں خیر کرم دا کھڑیا — پھیر کدی افلاس نہ پھڑیا
واہ مسئول تے واہ سوالی — حسبی ربی فی کل حالی

کیتھل دے وچ پیا پکارا — دتا شاہ کمال نظارہ
لگا دردمنداں ہتھ چارہ — جس تھیں دور ہویا دکھ سارا
اگھڑ وگیا فیض کمالی — حسبی ربی فی کل حالی

رہبر کامل کابل اندر نام مبارک شاہ سکندر
توڑ ہزار کفر دے جندر قائم کیتے دینی مندر
جھنڈے جھولن راس جبالی حسبی ربی فی کل حالی

نال طفیل انھاندے سائیاں پکڑ نہ سانوں بدل کمائیاں
جے اسیں اجے تہیں بھر پائیاں ہُن مُڑ ساڑ نہ وچ جدائیاں
بندہ عالمپوری سوالی حسبی ربی فی کل حالی

اُردو اور فارسی کلام

حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے ہاں ابتدائی عمر میں ہی شعر کہنے کا سراغ ملتا ہے۔ خاندانی طور پر بھی مجھے معلوم ہے اور دوسرا عالمپور اور اس کے گرد و نواح کی چند شخصیات سے بھی اسکی اطلاع ملتی ہے اور آپ کے کچھ اشعار سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں جو کہیں کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی اُردو غزلیں اور فارسی کلام بھی ملتا ہے مگر ان کے قلمی نسخہ جات موجود نہیں ہیں یہ سینہ بہ سینہ اور پھر نقل در نقل ہوتے بہت کم ہو گیا ہے اور اس میں کتابت کی غلطیوں کی بھی بھر مار ہے۔ ابھی تک اس کا یہ تعین کرنا باقی ہے کہ آپ نے یہ کس عمر میں لکھا لیکن کچھ لوگوں کے مطابق آپ نے اُردو اور فارسی کلام انتہائی نوعمری میں لکھا لیکن نوعمری میں لکھنے کے باوجود آپ کی اُردو غزلیں اور فارسی کلام انتہائی جاندار اور ہر لحاظ سے معتبر ہے۔ ردیف شماری سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ کی پہلی ہی غزل کے 110 اشعار ہیں اس سے شاعر کی قادر الکلامی اور پُر گوئی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ پہلے آپ اُردو کلام کا نمونہ دیکھیں۔

قلم رک نہ جائے رقم سے اگر
تو جوشِ دلی کا ٹھکانہ نہیں
دیا جو کہ قسام نے جام پُر
کسی غیر کو پھر چکھانا نہیں

(287)

اب فارسی کلام کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

مہ من ہست فخرِ آسمانی
ولے غافل ز آشوب جہانی
بیا کز جان و دل کردم فدائیت
کہ حال من نہ دانی نہ دانی

(288)

طب کے حوالے سے مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا مشاہدہ

ملازمت چھوڑنے کے بعد مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا ذریعہ معاش طب اور زمینداری تھا۔ وہ بہت ماہر حکیم تھے۔ نبض دیکھنے کی جگہ مریض کا قارورہ ٹیسٹ کر کے مرض ڈھونڈ لیتے تھے۔ اس کا ذکر آپ اس طرح کرتے ہیں۔

نج طب دا علم میں یاد کیتا رنگ دیکھنے پئے قارو ریاں دے

بول روگیاں دا وچ بوتلاں دے توساں دیوندا وید سیانیاں نوں

جہاں تک طب کے علم کو یاد کرنے کا تعلق ہے سارے تذکرہ نویس چپ ہیں کہ مولوی صاحبؒ نے یہ عظیم الشان علم کہاں سے حاصل کیا۔ البتہ آپ کے اس علم کی مہارت کی کچھ غیر مصدقہ روایات مشہور ہیں یا پھر آپ کی شاعری میں کچھ اشارے ملتے ہیں۔ ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

''ایک عورت نے غصے میں آ کر اپنی بیٹی کے سر پر اتنا زور سے ہاتھ مارا کہ وہ اندھی ہو گئی۔ انہوں نے کافی علاج کروایا لیکن لڑکی ٹھیک نہ ہوئی۔ آخر اُس کا بھائی قارورہ لے کر مولوی صاحب کے پاس پہنچا۔ مولوی صاحبؒ نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ مریض کو دریا پر لے جاؤ۔ الٹا کر کے ٹانگوں سے پکڑ کر دریا میں دو تین غوطے دو۔ لڑکی کا بھائی پہلے تو مذاق سمجھتا رہا اور دوائی مانگتا رہا۔ مولوی صاحبؒ نے کہا اس کا علاج دوائی کے بغیر جو میں نے بتایا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اس طرح کرنے سے لڑکی کی نظر واپس آ گئی اور اُس کا بھائی بہت خوش ہو گیا۔''

مولوی صاحبؒ کے ایک شعر پر غور کریں تو پتہ لگتا ہے کہ آپ نے طب کے نظری حصے کا خلاصہ کر کے دریا کوزے میں بند کر دیا ہے کہتے ہیں۔

اک دل تے دو نین روحاں تن تُن دیاں خلطاں چارے
پنج حواس سنے شش رودہ ہفت طبیعی کارے

شاعر کا فنی کمال یہ ہے کہ وزن اور قافیہ بھی خوبصورت ہے۔ شعری صنعت سیاق الاعداد بھی ہے اور بڑے عمدہ طریقے سے طب کے اصول پیش کر دیئے ہیں۔

دل ایک اور آنکھیں دو

تین روحیں "طبعی، نفسانی اور حیوانی ہیں جن کا تعلق تین اعضائے رئیسہ دل، دماغ اور جگر کے ساتھ ہے۔

چار خلطاں: دم (خون)، صفرا، بلغم اور سودا (کہ از طبائع اربعہ ہوا، نار، ماو طین است)

پانچ حواس ظاہری: باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ۔

پانچ حواس باطنی: حس مشترکہ، خیال، وہم، حافظہ، متصرفہ۔

چھ رودے (امہای ستہ)۔ اثنا عشری، صائم، دقیق، اعور قولون، مستقیم۔

سات امور طبیعی: ارکان، اخلاط، اعضا، ارواح، حواس، افعال قوئ۔

سات مزید قوئ طبیعی: جاذبہ، ہاضمہ، ماسکہ، رافعہ، غاذیہ، نامیہ، مولدہ۔

اس سلسلے میں دواؤں کا ذکر بھی آتا ہے جو عملی طب سے تعلق رکھتا ہے۔ نارنج اور انجیر کی تاثیر ایسے بیان کرتے ہیں۔

نارنجوں لے رسا جوانی ٹھنڈ پوے وچ سینے
چکھ انجیر رہے وچ لبدے لذت چار مہینے
کھاوندیاں دے جانھ دماں وچ ضعف قواؤں سارے
ورم طحال ہزال الکلیہ سینے دے دکھ بھارے
(289)

قرنفل (لونگ) کی تاثیر دیکھیں۔

گچھے داکھ لٹکدے اچے جیوں کرسی پروینا
تے وچ باغ قرنفل بوٹے لٹے ماہ جبیناں

ماہ جبیناں دے دل تائیں قوت فرحت آئی
وحشت تے وسواس اُڈائے ذہن دماغ صفائی

(290)

زلیخا کے باغ میں ٹہنیاں اور گلگل لٹکتی ہے۔ جو بڑھی ہوئی تلی کا علاج بتاتے ہیں۔

گلگل کتے لٹکدی شاخیں ملھ گواون والی

پستہ، بادام، اخروٹ اور ان کی تاثیر نہایت مختصر انداز میں ایسے بیان کی ہے

فستق لوز دوویں وچ جوزاں کشمش پھڑے کنارے
خشک دماغاں نوں ہر شاخوں جھک جھک کرن اشارے

(291)

بیہوشی کا علاج

سرکہ کہنہ نک وچہ تے روغن بادام
عمر اوہناندے پاوندا آئی چھک تمام
ہوش پئی جاں تیہاں نوں ڈٹھا ہور مکان
عمر امیہ پاس ہے دیکھ رہے حیران

(292)

قاضی حیدر علی نامی ایک لڑکا آپ کے پاس طب پڑھتا تھا۔ ایک دن قاضی حیدر سبق یاد کئے بغیر کہیں چلا گیا تو مولوی صاحبؒ نے اُس کی کتاب پر یہ شعر لکھ دیا۔

مالک ایس کتاب دا میاں حیدر علی
طب پڑھن نوں آیا پھریا گلی گلی
دینے وچ دوا دے جے بچ گیا بیمار
ملے روپیہ نظر دا آٹھ آنے یا چار

جے کر کسے دوا دا الٹا اثر پیا
تا پھر حق اسقاط دا ناہیں کتے گیا

(293)

ایک دفعہ بھولی نام کی ایک عورت اپنے بیٹے جیون کا قارورہ لے آئی اور کہنے لگی مولوی صاحب کوئی نسخہ لکھ دیں تاکہ میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے۔ مولوی صاحب نے یہ نسخہ لکھ کر دے دیا۔

ماں بھولی پُت لاڈلا جیون رکھیا نام
مری بھولی صبح نوں جیون مرے اَج شام

(294)

ایسے ہی ہوا اور یہ نسخہ ان کے گھر سے ملا۔

عشق سے زلیخا پر جنونی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اس کے علاج کی کوششیں اور تدبیریں کی جارہی ہیں۔

شیخ رئیس جیہاں دیاں عقلاں سر نیویں کر گئیاں
وچ قانون علاج نہ پایا ، اس مرضوں ڈر گئیاں
قرشی جیسے موجز مایہ ، کیہ کر سکدے کاری
علم ذخیرہ پاس جنہاں اوہ رووَن زار و زاری

(295)

شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کا لقب ہے اور قرشی فنِ طب کے بہت بڑے شارح ہیں۔ قانون شیخ کی کتاب کا نام ہے اور موجز قرشی کا معجزہ ہے۔

قلم کی حرمت و سیادت

دنیا کی تاریخ میں جن افراد اور اقوام نے ترقی کی منازل طے کی ہیں ان کی وجہ صرف تعلیم اور حکمت و دانش ہے اور یہ سب کچھ قلم کے ذریعے ممکن ہے۔ تعلیم، علم و دانش اور تحریر کے حوالے سے قلم کے بارے میں خوبصورت اور فکر انگیز اشعار جنہیں پڑھنے کے بعد انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جہالت و کم علمی سے نکل کر تعلیم اور فکر و عمل کی طرف راغب ہو۔ ان اشعار کو تو تمام درس گاہوں میں آویزاں کرنے کی ضرورت ہے تاکہ قلم سے محبت بڑھے اور صحت مند سرگرمیوں کو فروغ ملے۔ اس میں مولوی غلام رسول عالپوریؒ نے قلم کی ازلی حقیقت کی نشان دہی کی ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر چند اشعار دیئے جاتے ہیں۔

جے توں سچ پُچھیں قلم ہتھ ساڈے قلم جیہی بھی ہور تلوار ناہیں
گھائل کراں گے قلم دیاں نال زخماں خالی جاوندا قلم دا وار ناہیں
وَگی قلم دے زخم نہ کدی مِٹ دے بڑا قلم تھیں ہور ہتھیار ناہیں
قلم دِلاں نوں قلم کر سِٹ دی اے قلم جیڈ کوئی بڑی پیکار ناہیں
دفتر راز جہاں دے قلم لِکھدی کیہڑا شاہ اِسدا خدمت گار ناہیں
وچہ مُلک حکومتاں قلم کر دی کھاندی وچہ جنگاں دے ہار ناہیں
مُشکیں جُعد گلرنگ دِلدوز زیبا قلم جیڈ سرمست نگار ناہیں
خوشی عیش دا گرم بازار ناہیں جس بزم دی قلم سردار ناہیں
نخرے باز لڈکڑی ناز بھِنی قلم جیہی محبوب مُیار ناہیں
شیریں سُخن نبات لَب قلم جیہی کوئی لاڈلی شہد رُخسار ناہیں
کوکب ریز مہتاب تے شمس طلعت قلم جیڈ کوئی زرکار ناہیں
کھرا کھوٹ زر قلب دے پرکھنے نوں باجھوں قلم کوئی معیار ناہیں
فیض قلم دے تھیں چار کوٹ اندر بے پرواہ صغار کبار ناہیں

وِچ کارخانے دُنیا دِین والے باجھوں قلم صاحب اِفتخار ناہیں
سچی پریت دا پالنا بہت مشکل مُستحق اِس دا مکار ناہیں
(296)

خوبصورت اشعار دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں۔

رنگا رَنگ دواتاں دے رنگ ساڈے کیہڑا ساز جو اَج تیار ناہیں
ہر رنگ وِچ رَنگتاں رَنگ دے ہاں ساڈے رَنگ توں کدی زنگار ناہیں
وِچ اِکت معنے واحد قافئے دے سوچ دیکھ لے پیا تکرار ناہیں
ایہہ شعر شعور تھیں دُور بھاویں ایہہ سحر ہے صرف اَشعار ناہیں
تیریاں منیاں اَسیں کرامتاں اُوہ پتھر ڈوب کے توڑیاں تار ناہیں
اُوہدے درد دا اَنت شمار کیہا جہدے ہتھ وِچ یار غمخوار ناہیں
بے مزہ کلام بے درد دا اے اُوہدی دال وچ مرچ وَسار ناہیں
وے میں کیوں جُراں لاتاں وِچ سینے اِس تھیں وَدھ ہن سچ ستار ناہیں
یار پڑھے نہ پڑھے خط نال دَرداں میرے قلم نوں اَج کھلیار ناہیں
(297)

زندگی کے چند واقعات

عشق کی تپش

عشق کی تپش نے طبیعت اتنی نرم کردی تھی کہ ایک دن شام کو مسجد سے گھر کی طرف جارہے تھے' راستے میں عورتیں تندور پر روٹیاں لگا رہی تھیں ایک عورت نے روٹیاں لگائیں لیکن وہ ٹوٹ کر تندور میں جا گریں دوسری عورت کہنے لگی ''چھڈ نی چھڈ تیریاں لائیاں ٹٹ گئیاں نیں آکھ کھاں میریاں لگیاں ٹٹ جاون'' یہ بات سن کے آپ پر رقت طاری ہوگئی اور گھر جاتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ تقریباً دو دن استغراق کی حالت طاری رہی بار بار اپنا یہی مصرعہ پڑھتے رہے۔

ساڈیاں روز میثاق دیاں لگیاں دا لاون ہار باجھوں جانن ہار ناہیں

آخری عمر میں تو یہ حال ہوگیا تھا کہ بالکل کہیں آنا جانا بند ہوگیا' تصوف کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہر وقت محویت کی حالت طاری رہتی تھی۔

آپؒ کا خاندانی پیشہ زمینداری تھا۔ ایک دفعہ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کا علی بخش نامی نوکر مویشیوں کے لیے چارہ لے کر بڑی دیر بعد گھر آیا تو مولوی صاحبؒ نے اس کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

سارا دن اڈ یکیا گیا کویلا ہو
ڈھیر کمائی تدھ دی بھریاں پونے دو

(298)

شخصیت کا رعب

مولوی صاحبؒ کی ایمانی قوت اور اُن کی شخصیت میں وقار اور رعب بہت تھا۔ اُن کے سامنے کسی کو جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ایک واقعہ ایسے بیان کرتے ہیں۔

''عید محمد نام کے ایک شخص نے کسی کا قرضہ دینا تھا۔ اس نے تحصیلدار کے سامنے عید محمد کے خلاف دعویٰ کردیا۔ ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے دعویٰ خارج ہوگیا۔ عید محمد نے قرض دینے سے صاف انکار کردیا۔ قرض خواہ نے مولوی صاحبؒ سے بات کی۔ اُنہوں نے عید محمد سے پوچھا وہ مان گیا۔ مولوی صاحبؒ

نے فرمایا ''عدالت میں تو کیوں نہیں مانا'' کہنے لگا ''عدالتوں میں جھوٹ چلتا ہے لیکن آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

ایک دل افروز واقعہ

مولوی صاحبؒ کا زندگی میں عام معمول یہ رہا کہ الصبح اٹھ جاتے اور اللہ اللہ کرتے۔ درود شریف بہت پڑھتے، صبح کی اذان سے پہلے سیر کو جاتے۔ عام طور پر سیر کرنے کے لئے عالمپور سے مشرق کی جانب ایک گاؤں بسؤا جاتے تھے ایک دن ایک واقعہ ہوا کہ سیر کے دوران دو ہندو راہ میں آملے اُنہوں نے بسؤا گاؤں کے کسی محمد علی نام کے بندے سے ملنا تھا جسے عام لوگ پورے نام کی جگہ صرف محمد ہی کہتے تھے۔ ان ہندوؤں نے مولوی صاحبؒ سے پوچھا کہ محمد کا گھر کدھر ہے یہ سنتے ہی مولوی صاحبؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی فرمانے لگے۔

''محمد ﷺ کا گھر تو مدینے میں ہے، ادھر کدھر ڈھونڈ رہے ہو''

اُن ہندوؤں پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ (299)

مسجد میں ایک سانسی کے رات گزارنے کا واقعہ

ایک دفعہ شدید سردی کی ایک رات میں ایک سانسی نے عالمپور گاؤں میں رات گزارنے کے لئے کچھ گھروں پر دستک دی لیکن کسی نے اُس کو گھر ٹھہرنے کی اجازت نہ دی وہ مسجد میں آ گیا۔ وہاں اُس وقت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ موجود تھے یاد رہے کہ یہ مسجد مولوی صاحبؒ نے خود اپنے پیسوں سے بنوائی تھی جبکہ عالمپور میں ایک اور مسجد تھی جس میں ایک پیشہ ور امام موجود تھے۔ اُس سانسی نے جس کے پاس دو سور کے بچے بھی تھے مولوی صاحبؒ سے رات ٹھہرنے کی التجا کی تو مولوی صاحبؒ نے اُسے اجازت دے دی اور فرمایا کہ صبح جلدی یہاں سے چلا جائے۔ پھر آپؒ نے اُس سے کھانے وغیرہ کا پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ میں کھانا کھاؤں گا اور یہ سور کے بچے دودھ پئیں گے۔ آپؒ نے اُس کو کھانا اور دودھ مہیا کر دیا۔ صبح اذان کے وقت جب نمازی آئے تو اُنہیں سُور کے بچوں کی آواز آئی وہ سانسی کو مارنے کے لئے اُس کی طرف لپکے تو اُس نے فوراً کہا کہ مجھے تو مولوی صاحبؒ نے رکھا ہے وہ لوگ مولوی صاحبؒ سے بڑی حیرانی سے سوال کرنے لگے کہ جناب آپ نے بھی اس کو مسجد میں رکھا۔

آپؒ نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا انہیں کہا کہ اس بات کا مجھے جرمانہ کر دو۔ اُنہوں نے اُس وقت کے مطابق پانچ یا چھ روپے جرمانہ کیا آپ نے گھر سے پیسے منگوائے اور اُن لوگوں کو دے دیئے۔ لوگوں نے کہا کہ ان میں سے ایک روپیہ کم ہے تو اُس وقت آپ نے فرمایا ''کہ ایک رات رکھنے کھانا کھلانے اور دودھ پلانے کا یہ جرمانہ میں نے ادا کر دیا باقی اُس سے مانگو جس نے ان کو پیدا کیا اور جو روزانہ ان کو دودھ اور رزق عطا کرتا ہے''۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے آپؒ سے معافی مانگ لی۔

استعفیٰ کا واقعہ

حضرت مولوی غلام رسول عالپوریؒ سکول میں بچوں کو پڑھاتے وقت پوری توجہ اُنہیں دیتے تھے۔ سکول ٹائم میں کسی دوست کو ملاقات کا وقت نہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ سکول سے چھٹی ہو چکی تھی اور آپ واپس گھر کی طرف آ رہے تھے تو سکول انسپکٹر سکول پہنچ گیا اُس نے مولوی صاحبؒ کو بلانے کے لئے ایک اُستاد کو پیچھے روانہ کیا۔ اُس نے آ کر مولوی صاحبؒ کو سکول انسپکٹر کا پیغام دیا۔ آپ نے چند اشعار میں اپنا استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا اور پھر کبھی سکول نہیں گئے۔

وطن سے محبت

انسان جس دھرتی میں بستا ہے اس کا پیار اس کے وجود میں رچا بسا ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کا جس علاقے میں جنم ہوا وہ بیٹ کا علاقہ کہلاتا ہے۔ اپنے دوست سید روشن علی کو جو کہ بیٹ کا علاقہ چھوڑ کر مالوے چلا گیا تھا خط میں بیٹ کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ساڈا بیٹ تن پیٹ ہے نعمتاں دا تیرے مالوے کنک جوار ناہیں

....

وائیں ٹھنڈیاں تازیاں جھل رہیاں ایہہ فائدہ بیٹ دیار دا اے

(300)

گھریلو زندگی میں احسن القصص کی مقبولیت

محمد عالم کپور تھلوی لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب کا کلام مسجد اور چوپال دونوں جگہ شوق سے پڑھا جاتا ہے جب میں مولوی صاحبؒ کے کلام اور شخصیت پر کتاب ڈونگھے وہناں دا شاعر لکھ رہا تھا تو مجھے ملنے کے لئے پیر فضل حسین فضل مصنف ''ڈونگھے پینڈے'' تشریف لائے۔ میں قلم چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہوگیا وہ پوچھنے لگے کہ کیا لکھ رہے ہو۔ میں نے بتایا کہ وارث شاہ اور مولوی غلام رسول کے بارے کچھ لکھ رہا ہوں۔ انہوں نے یہ سن کر موضوع کی مناسبت سے یہ واقعہ سنایا کہنے لگے میں ایک بار جلال پور جٹاں اپنے ایک دوست کو ملنے گیا شام کا کھانا کھانے کے بعد انہوں نے اپنی جوان بیٹی کو بلایا اور کہنے لگے بیٹا پیر صاحب آئے ہیں انہیں مولوی غلام رسول صاحب کی یوسف زلیخا سناؤ۔ اُس نوجوان لڑکی نے کتاب لاکر زلیخا کی دوسری خواب کا یہ بیان پڑھنا شروع کردیا۔

بھر ساقی دیہہ دوجی واری تیز نشے دا کاسا
خودی تکبر مان گماناں رہے جہنم واسا
سودائیاں دی حیرت مندی اگے تھیں ودھ جاوے
کرے علاج تے پوے قضیہ دکھ وچے غم کھاوے

پیر صاحب کا بیان ہے کہ اُس جوان لڑکی کی میٹھی اور پُر تاثیر آواز اور مولوی غلام رسول صاحبؒ کے سوز و گداز نے وہ سماء باندھا کہ ہمیں کئی بار آنسوؤں کا ہدیہ پیش کرنا پڑا۔ یہ شرف صرف مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کو ہی حاصل ہے کہ مائیں بیٹیوں سے یوسف زلیخا سنتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب کے کلام میں پاکیزگی ہے۔ بے شک اُن کے کلام میں گہرائی اور سنجیدگی کا خاصہ اثر ہے شعر عالمانہ اور عارفانہ ہیں خواص کیلئے لکھے گئے ہیں لیکن پھر بھی عوام میں اُن کی شہرت اور مقبولیت بہت زیادہ ہے۔(301)

راقم الحروف کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ جب میں 2007ء اور 2010ء کے درمیان مختلف اوقات

میں ہندوستان مولوی صاحبؒ کے مزار اقدس پر جاتا رہا تو مجھے خوشی اور حیرانی ہوئی کہ جموں کشمیر کے رہنے والے مسلمانوں میں مولوی صاحبؒ کی احسن القصص بہت مقبول ہے جو کہ وہاں کے رہنے والوں میں مولوی صاحبؒ کے مزار اقدس پر آ کر مجھے ترنم کیساتھ پڑھ کر سنائی یعنی احسن القصص کی مقبولیت نہ صرف پنجاب میں ہے بلکہ پورے کشمیر میں بھی انتہائی محبت اور شوق سے مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی احسن القصص پڑھی اور سنی جاتی ہے۔

مولوی صاحبؒ کے مزار پر فال نکالنے کا واقعہ

محمد عالم کپور تھلوی لکھتے ہیں کہ میں 1963ء میں عالم پور ہندوستان پہنچ گیا۔ جب میں مولوی صاحبؒ کی قبر مبارک پر پہنچا۔ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ اتنی دور سے جہاں تو پہنچا ہے کیا یہی مولوی صاحب کا مزار ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ اس کا جواب صاحب مزار سے پوچھا جائے تو ٹھیک ہے۔ میں نے مولوی صاحب کی احسن القصص رام لال سریج سے لے کر قبر مبارک کی کرسی پر رکھ کر فال نکالی تو یہ شعر فال کا نکلا۔

ہاں میں ٹھیک نہیں گل جھوٹی متاں یقین ہلائیں
خواب خیال نہیں ایہہ گلاں مت کر وہم اڈائیں

یہ شعر سن کے ہندو سکھ حیران رہ گئے کیوں کہ میں یہ بات بتا چکا تھا کہ میں کتاب کیوں منگوا رہا ہوں۔ اُنہوں نے کہا ایک بار ہمارے لئے بھی فال نکالو جب میں نے اُن کے کہنے پر دوبارہ کتاب کھولی تو پھر یہ شعر نکلا۔

عمر جوانی نہر وگیندی حسن ندی دیاں لہراں
گزری ٹھاٹھ گئی کد آئی مڑ وچ پچھلیاں شہراں

یہ شعر سن کے وہ حیران ہوئے جب میں نے انڈیا سے واپس آ کے ''اپنا دیس بیگانہ'' کے اوپر پنجابی ادب لاہور میں مضمون لکھا تو اس میں اوپر والا واقعہ بھی تحریر کیا تو مجھے دو خط آئے ایک پیر فضل شاہ گجراتی (مرحوم) کا تھا' میاں محمد صاحب کے مزار پر ان کے جانے کا واقعہ بھی لکھا ہوا تھا تو کتاب کھولنے کے بعد یہ شعر نکلا تھا۔

کون بندے نوں یاد کریسی ڈھونڈے کون قبر نوں
کس نوں درد اساڈا ہوسی روگ نہ رنڈے ورنوں

دوسرا واقعہ علامہ عرشی نے پروفیسر شہباز کا لکھا تھا کہ اُس نے بیدل عظیم آبادی پر بہت کام کیا ہے

اور جب وہ بیدل کی قبر پر پہنچا تو یہ شعر فال کا نکلا۔

چہ مقدر خوں در عدم خوردہ باشم
تو بر خاکم آئی و من مردہ باشم

ترجمہ: آخرت میں کس مقدار میں مجھے خون پینا پڑا کہ تو میری قبر پر آیا تو میں مر چکا ہوں۔

مولوی صاحبؒ ملکی اور غیر ملکی اہل علم اور محقق حضرات کی نظر میں

I.K.GUJRAL (1

Former Prime Minister, India

Message

The Late Maulvi Ghulam Rasool Alampuri was once such remarkable personality whose contribution has left an indelible mark on the Punjabi Literature and folk-lore of both Pakistan and India. His influence transcends political boundaries and his legacy creates unified responses in the two countries, which is a matter of great pride.

(Doonghay Raaz, Sahibzada Masud Ahmed, Page 15, Sept. 1999)

2) فخر زمان

چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان

مرکزی پنجاب میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے منظوم قصے "احسن القصص" کو وہی

مقبولیت حاصل تھی جو پوٹھوہار کے علاقے میں میاں محمد بخش کی ''سیف الملوک'' کو۔ یہ دونوں منظوم قصے چوپالوں اور دائروں کا ہی حصہ نہیں تھے بلکہ ہر اس علمی گھر کی ضرورت تھے جن کی ابتدائی تعلیم مسجد میں ہوتی تھی۔ مولوی صاحبؒ کا عہد وارث شاہ کے عہد کی طرح طوائف الملوکی کا عہد تو نہیں تھا لیکن سماجی اور معاشرتی انتشار، بے چینی اور افراتفری کا یہ عالم تھا کہ ہر مادی اور روحانی قدر پامال ہو رہی تھی جس کی وجہ برادران یوسف کی باہمی سازشیں تھیں۔ مولوی صاحبؒ نے مادی اور روحانی تعلیم و تربیت کے لئے ایک ایسے قصے کا انتخاب کیا جسے قرآن نے ''احسن القصص'' کا نام دیا۔ اس قصہ کی فکری سطح وہی ہے جو جامیؒ کی فارسی مثنوی ''یوسف زلیخا'' کی ہے۔ جہاں تک فنی سطح کا سوال ہے تو احسن القصص کے اشعار کی تعداد خود شاعر نے 6666 بتائی ہے تا کہ ان کی تعداد قرآن کی آیات کے برابر رہے۔

''احسن القصص'' کا بنیادی موضوع حسن و عشق اور بنیادی مقصد نیکی اور بدی، ثابت قدمی اور لغزش کو واضح کرنا تھا۔ شاعر نے سوز و گداز اور ہجر و وصال کی جس لذت کو اس قصے میں سمویا ہے اس کی طہارت شاعر کی پاکیزہ شخصیت کا کرشمہ ہے۔

(ڈونگھے راز، ص 19، ستمبر 1999ء صاحبزادہ مسعود احمد)

3) سید سبط الحسن ضیغم اپنے مضمون ''پنجابی دے ہمیشہ زندہ رہن والے شاعر'' میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

جو لوگ پنجابی اور فارسی زبانوں کے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کہاں کہاں مولوی غلام رسولؒ عالمپوری، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کو اُن کی ہمیشہ زندہ رہنے والی تخلیق ''یوسف زلیخا'' میں پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ یہ عظمت اللہ تعالیٰ نے ہر کس و ناقص کو نہیں دی حالانکہ یہ کتاب مولوی صاحبؒ نے 24 سال کی عمر میں مکمل کی۔ جس وقت لوگ عقلی اور فکری طور پر گھٹنوں کے بل چلنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ اس سے بھی بڑی بات داستان امیر حمزہ کی تخلیق ہے۔ جس کی پہلی جلد انہوں نے 15 سال کی عمر میں تخلیق کی۔ دوسری اور تیسری جلد بیس سال کی عمر میں مکمل کی لیکن چھوٹی عمر میں تخلیق کرنے کے باوجود بھی داستان امیر حمزہ کو دنیا کے بڑے ادب کے مقابلے کا قرار دینا پڑتا ہے۔

(ڈونگھے راز، ص 22، ستمبر 1999ء صاحبزادہ مسعود احمد)

4) ڈاکٹر کرنیل سنگھ تھند اپنے مضمون ''لوک جیون دے عکاس شاعر'' میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ نے قصہ کاری کی روایت کو آگے بڑھایا اور دولت مند بھی بنایا ہے۔ پنجاب کے لوگوں میں صدیوں سے رائج لوک کہانیوں کو اپنی تحریر سے تقویت دے کر ان میں نئے معنے بھرے ہیں۔ زندگی کی اٹل حقیقتوں کو بیان کیا ہے اور اپنے فنی جوہر بھی دکھائے ہیں۔ یہ قصے آج بھی عام لوگوں کو زبانی یاد ہیں اور ہماری لوک محفلوں کی زینت بنے رہے ہیں۔ مولوی غلام رسول عالپوری نے ہمارے مذہبی عقیدوں اور عوامی عقائد' عوامی رواج اور روایات کو اپنی تحریروں میں اس خوبصورتی سے پرویا ہے کہ محقق اور سراغ رساں دنگ رہ جاتے ہیں۔ بے شک داستان امیر حمزہ اور یوسف زلیخا جیسے شاہکاروں کی تخلیق کرنے والے ادیب اور شاعر مولوی غلام رسولؒ کا پنجابی ادب کی تاریخ میں خاص مقام ہے۔

(ڈونگھے راز،ص 24، ستمبر 1999ء صاحبزادہ مسعود احمد)

5) مہر کا چیلوی اپنے مضمون '' پنجاب دی اک سوہنی خوشبو'' میں مولوی صاحبؒ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ ہمارا سرمایہ ہیں یہی ہماری ثقافت ہیں۔ ہمیں ان پر فخر ہے مگر ہم بے قدرے ہیں۔ ہم نے اُس عالم کی قدر نہیں کی جس کی دھوم پوری دنیائے ادب میں پڑ چکی ہے۔ 1864ء سے لے کر آج تک مولوی غلام رسولؒ کا کلام پنجابی ادب میں اپنا مقام اور رتبہ اُسی طرح بلند مقام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔

(ڈونگھے راز،ص 26، ستمبر 1999ء صاحبزادہ مسعود احمد)

6) عبدالغفور قریشی اپنے مضمون میں مولوی صاحبؒ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

1۔ پنجابی وچ یوسفؑ زلیخا دے چونویں کلاسیکل شاعراں وچوں اوہناں دا اچا مقام اے۔ انہاں تصوف دے اسرار تے رموز دی تشریح کیتی اے۔ اوہ اک عالم باعمل، خطیب باصفا تے صاحبِ نظر شاعر سن۔

2۔ مبالغے توں کم نئیں لیا۔ من گھڑت، قیاسی، کرداراں دے دوالے قصے دا تانا بانا نئیں اُنیا۔

3۔ کردارنگاری، جزئیات نگاری تے منظر نگاری وچ کمال دی پرکاری کیتی اے۔

4۔ عربی، فارسی تشبیہاں تے استعارے لیا کے حسن، عشق دیاں گجھیاں رمزاں دسیاں۔

5۔ عربی، فارسی دا عنصر وَدھیرے اے جو ایہناں دی عالمانہ قابلیت دا ثبوت اے۔

6۔ مکالمے وچ زنانیاں دے کرداراں نوں زنانیاں دی زبان دے مخصوص رنگ دے لفظاں تے محاوریاں نال شدنگاریا اے۔

7۔ شعراں وچ روانی، رس تے مٹھاس اے۔ سوز تے تڑپ دی چسک اے۔

8۔ لفظاں دی مینا کاری، زور بیان، اسلوب دی خوبی، جوش خطابت، انوکھا، نویکلا تے نرالا اے۔

9۔ خیال اڈاری ڈھکویں، تصوف اخلاق تے سلوک دے بیان وچ متانت، سنجیدگی دے اصل جوہر قائم رکھے نیں۔

10۔ کسے واقعے، منظر، خیال تے احساس نوں بنیاد بنا کے فن برائے زندگی دے نظریئے نوں قائم رکھدیاں قصہ کاری کرنا، اچے فنکار ہوون دی وڈی دلیل اے۔

11۔ مولوی غلام رسولؒ صاحب نے اک صوفی شاعر، قصہ کار، عالم فاضل، مدرس، اسلامی تشخص ابھارن بارے شعور تے آگہی دے فروغ وچ بھرپور کردار ادا کیتا۔

ایہہ گل ٹھوک وجا کے دھڑلے نال آکھی جاسکدی اے کہ مولوی غلام رسولؒ دی اپنے ویلے توں پہلوں تے بچھوں جے قلم دے غازیاں، شاعراں، قصہ کاراں، خطیباں، مفسراں دی ڈھائی وچ علم، عرفان وجھوں اچی تھاں اے، فنی مرتبہ بلند اے۔

(ڈونگھے راز، مولوی غلام رسولؒ عالمپوری دی شخصیت، حیاتی، فکر تے فن ص 170,174,175 176, ستمبر 1999ء صاحبزادہ مسعود احمد)

7) عبدالقیوم قریشی اپنے مضمون ''مولوی غلام رسولؒ مبلغ اسلام'' میں یوں لکھتے ہیں۔

حضرت مولوی غلام رسولؒ عالمپوری دی شاعری توں ہر اوہ آدمی واقف اے جہڑا پنجابی زبان دی کلاسیکی شاعری دا جانو اے۔ مولوی صاحبؒ نے اپنی شاعری توں تبلیغ دا کم لیتا اے کیوں جے اوہ نرے

پُرے شاعرای نئیں سن بلکہ بڑے کامل ولی اللہ وی سن۔ مولوی صاحبؒ نوں اپنی ولایت ظاہر کرن دا شوق نئیں سی۔ ایس لئی او چپ چپیتے باطنی طور تے ای اپنیاں ذمہ داریاں نبھار ہے سن۔

(ڈونگھے راز، ص 235,236، ستمبر 1999ء صاحبزادہ مسعود احمد)

8) مولا بخش کشتہ اپنے مضمون مولوی غلام رسولؒ میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

یوسف زلیخا دا قصہ مولوی صاحبؒ دا اک شاہکار اے عربی فارسی دے لفظ بڑی روانی تے آزادی نال ورتے ہین قلم وچ بڑا زور تے روانی اے۔

(پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص 241)

9) ڈاکٹر شوکت علی قمر اپنے مضمون "مولوی غلام رسولؒ عالمپوری ایک عظیم پنجابی کلاسیکل شاعر" میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

پنجاب کے تمام عظیم کلاسیکل شعراء میں کم عمر رکھنے کے باوجود مولوی غلام رسول عالمپوریؒ نے اتنا اعلیٰ پائے کا فکری وفنی ورثہ چھوڑا ہے جس پر لکھنے کے لئے کئی کتابیں درکار ہیں۔ آپ صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ مولوی صاحبؒ کو خدا تعالیٰ سے طبع نہایت موزوں اور عرفان و وجدان سے بھرپور عطا ہوئی۔ آپ زود گو اور باکمال قادر الکلام شاعر تھے کہ مختصر عمر میں ہزاروں ابدی شعر کہہ کر زمانے کو دنگ کر دیا۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کی عوامی پنجابی کلاسیکل شاعری پنجاب بھر میں مشہور ومقبول ہے۔ احسن القصص عرفانی اسرار ورموز سے معمور و پُرنور اس آفاقی تخلیق میں مولوی صاحبؒ نے باکمال قصہ نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری، سراپا نگاری، مکالمہ نگاری اور درد نگاری کے ساتھ زبان و بیان کے انمول دریا بہا دیئے ہیں۔ آپ شعری صنعت نگاری کے بادشاہ اور حقائق ومعارف کے پُر بلیغ مُفسّر ہیں۔ عربی، فارسی زبان کے رچاؤ سے معمور آپ کی پُر بلیغ مثنوی فکری اور فنی رنگارنگی کا وہ انمول باغ ہے جس میں ہر رنگ کا پھول اور ہر قسم کی خوشبو موجود ہے۔ مولوی صاحبؒ کی شاعری میں اسلامی تصوف کے سارے مضامین حُبِ الٰہی حُبِ رسولؐ، فقر، عشق کی اہمیت وسرمستی، فنا فی اللہ، ذکر فکر، نفس کی پاکیزگی، خودی، صبر، شکر، توکل، رواداری، فکر آخرت، عمل، بیداری، فلسفہ وحدت الوجود، دنیا کی بے ثباتی، بندگی اور فلسفہ جبر وقدر کے مضامین منفرد عرفانی لہجے میں شعور ووجدان سے مکالمے کرتے ہوئے محسوس

ہوتے ہیں۔ مولوی صاحبؒ کی غنائیت' تغزل اور روانی' جادو بیانی ایک بڑے سحر سے کم نہیں۔ چونکہ مولوی صاحبؒ درویش شاعر تھے اس لئے آپ کی درویشی کرامتیں آپ کے عظیم کلاسیکل کلام میں بھی جا بجا ملتی ہیں۔ بلاشبہ حضرت مولوی غلام رسولؒ عالپوری پنجابی زبان کے عظیم کلاسیکل شاعر ہیں جن کی شاعری فکر ونظر میں عرفانی چراغاں کئے ہوئے ہے۔

(مولوی غلام رسولؒ عالپوری ایک عظیم پنجابی کلاسیکل شاعر، غیر مطبوعہ، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد)

10) ڈاکٹر اسلم رانا اپنے مضمون میں خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

جے ایہہ آکھیا جاوے کہ ''یوسف زلیخا'' وچ جہڑی حمد مولوی ہوراں نے پیش کیتی اے اوہدا جواب پنجاب شاعری وچ کدھے نہیں ملدا تے ایہہ گل غلط نہ ہوسی۔ ایس حمد دی زبان تے جہڑے مسائل ایہدے وچ پیش کیتے گئے نیں اوہ بہت مشکل نیں۔ جے اوہناں نوں نثر وچ بیان کرن لگیے تے قلم نوں اینی روانی نصیب نہ ہووے جنی مولوی صاحبؒ نوں ایہناں نازک تے گھمبیر مسئلیاں نوں شعراں وچ بیان کرن لگیاں حاصل ہوئی اے۔ انج جاپدا اے جویں علم تے جذبے دے جوش نال بھریا ہویا اک سمندر اے جہڑا اٹھاٹھاں مار رہیا اے۔ اک لہر اٹھدی اے تے اوہ اجے پوری طرح بیٹھدی وی نہیں تے اوہدے توں اچیری اک ہور لہر اوہدے پچھے لپکدی ہوئی نظریں آوندی اے۔ ایہو صورت حال نعت دے مضمون دی وی اے۔ ایس توں وکھ بیان دا زور تے جوش جنا مولوی ہوراں دے کول ملدا اے اوہ وی اپنی مثال آپ اے۔ ایس روانی دا نمونہ پیر وارث شاہ ہوراں دے ہاں وی نظریں آوندا اے، پر ایہہ منناپوے گا کہ جتھے علم وفضل دے اظہار دا موقع آوندا اے اوتھے مولوی ہوریں وارث کولوں وی اگانہہ لنگھ جاندے نیں۔ ایہہ صرف وکھو وکھ مضموناں دے بیان تیکر ای محدود نہیں سگوں زبان تے لفظاں دا جہڑا استادانہ استعمال مولوی ہوراں نے پیش کیتا اے اوہ پنجابی ادب دے طالب علم لئی حیرت افزاء وی اے تے مشعل راہ وی۔

(رمز روایت، ہجر تے وصال دا شاعر)

11) ڈاکٹر حفیظ احمد اپنے مقالے میں مولوی صاحبؒ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ عالپوری ہوراں پنجابی زبان وچ شاعری کیتی اے تے ایس زبان دی جھولی وچ کئی انملے شاہکار پائے۔ مولوی غلام رسولؒ ہوراں توں پہلاں تے بعد وچ بہت ساریاں شاعراں نے ایس قصے نوں لکھیا پر کوئی شاعر وی مولوی غلام رسولؒ ہوراں دے مقابلے تے نہیں اپڑ سکیا۔ یوسف زلیخا دے سارے پنجاب قصیاں وچوں مولوی غلام رسول عالپوریؒ دا قصہ بہتا شاندار تے ہر لحاظ نال کامیاب اے۔ قادر الکلامی تے طبع دی روانی دے لحاظ نال دوجیاں شاعراں وچوں کوئی وی مولوی غلام رسولؒ ہوراں دا مقابلہ نہیں کر سکدا تے ایہدے وچ ذرا وی جھوٹ نہیں کیوں جے مولوی غلام رسولؒ ہوریں چنگے پڑھے لکھے، عالم باعمل شاعر سن۔ احسن القصص وچ عشق دی گل بات کردار نگاری، جذبات نگاری، منظر نگاری، فکری تے فنی خوبیاں دی حد مکی ہوئی دسدی اے۔

(پنجابی قصہ ''یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ'' مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر حفیظ احمد)

12) ڈاکٹر محمد اسلم رانا اپنے ایک مضمون ''ہجر تے وصال دا شاعر'' میں مولوی غلام رسول عالپوریؒ کی شاعری اور فن کے بارے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں۔

''احسن القصص'' دے ایس مطالعے توں بعد ایہہ گل واضح ہو جاندی اے کہ پنجابی شاعری وچ مولوی غلام رسولؒ ہوراں دا ایہہ کارنامہ اپنے رنگ ڈھنگ تے انداز دی اک وکھری تے نویکلی مثال اے۔ ایہدے وچ علم و فضل فنکاری، کرداراں دے منصب تے مقام دے مطابق اوہناں دی تصویر کشی تے سب توں ودھ کے قصے نوں اصل الہامی قصے دے نیڑے رکھن دی جہڑی کامیاب کوشش اوہناں نے کیتی اے اوہدی مثال پنجابی شاعری وچ گھٹ لبھے گی۔

(رمز روایت، ہجر تے وصال دا شاعر)

13) ڈاکٹر محمد اسلم رانا اپنے ایک اور مضمون ''احسن القصص وچ صنعتاں'' میں بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

احسن القصص یعنی یوسف زلیخا مولوی غلام رسولؒ ہوراں دی اوہ شہرت یافتہ کتاب اے جیہنے اونہاں نوں عاماں تے خاصاں دا عظیم شاعر بنا دتا اے۔ پنجاب دی پینڈو وسوں وچ ایہہ کتاب اینی پڑھی جاندی اے کہ گھٹ ای کوئی ہور کتاب پڑھی جاندی ہووے گی۔

(مولوی غلام رسولؒ عالمپوری دی احسن القصص دی مقبولیت دی وجہ، پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر حفیظ احمد)

14) ڈاکٹر شہباز ملک اپنے مقالہ ''مولوی غلام رسولؒ عالمپوری میں مولوی صاحبؒ کی بڑائی اس طرح کرتے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں۔

''مولوی غلام رسولؒ عالمپوری ہوریں اپنی لکھت احسن القصص پاروں پنجابی ادب وچ اک نہ بھلن والی ہستی متھے جا چکے نیں۔ اونہاں دی لکھت وچ اونہاں اپنے فکر تے فن نوں پوری طراں سمو چھڈ یا اے۔ پنجابی زبان وچ مولوی غلام رسولؒ ہوراں دے اس قصے سامنے کوئی نئیں کھلو سکدا۔ مولوی ہوراں ایس قصے وچ عشق نوں اک خاص مقام دتا اے۔ اوہ تشبیہاں ورتن و یلے نویاں نویاں تشبیہاں استعمال کردے نیں۔ واقع نگاری، مکالہ نگاری تے جذبات نگاری وچ اپنے فن دا کمال دکھاندے نیں۔

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر حفیظ احمد)

15) ڈاکٹر سید اختر جعفری مولوی غلام رسولؒ عالمپوری کے بارے اپنے ایک مضمون ''مولوی غلام رسولؒ عالمپوری تے اونہاں دے کلام دیاں فنی خوبیاں'' میں مولوی صاحبؒ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری دے ایس قصے ''احسن القصص'' وچ شاعری دیاں سبھے خوبیاں موجود نیں۔ فنی تے تکنیکی اعتبار نال ایہہ قصہ پنجابی ادب دے اُچے تے سرکڈھویں قصیاں وچ گنیا جاندا اے''
(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر حفیظ احمد)

16) ڈاکٹر وحید قریشی اپنے مضمون ''مولوی غلام رسولؒ تے اوناں دی یوسف زلیخا میں اپنے خیالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

مکدی گل ایہہ وے پئی مولوی غلام رسولؒ ہوراں داناں پنجابی ادب وچ یادگار رہے گا۔ اونہاں دا شمار پنجابی شاعری دے چونویاں شاعراں وچ ہونا چاہیدا اے۔

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر حفیظ احمد)

17) محمد بشیر چوہدری، مولوی غلام رسولؒ عالمپوری کی کتاب احسن القصص (یوسف زلیخا) کے بارے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

''احسن القصص'' ایہہ کتاب مولوی غلام رسولؒ دا شاہکار اے۔ ایس موضوع تے ہور وی بے شمار شاعراں نے قلم اٹھایا اے۔ پنجابی زبان وچ جہڑی زندگی قصہ یوسف زلیخا نوں مولوی غلام رسولؒ بخشی اے دنیا دے کسے ادب وچ اوہدی مثال نہیں مل دی۔ قصہ گوئی تے فن دے نقطہ نظر نال ایہہ کتاب بڑی لاجواب اے۔

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر حفیظ احمد)

18) چوہدری محمد عالم کپورتھلوی صاحب مولوی غلام رسولؒ عالمپوری کے بارے اپنی کتاب میں احسن القصص کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پنجابی دے جس شاعر نے وی یوسف زلیخا لکھی۔ تے اوس نے اپنی کتاب مولوی صاحبؒ دے مقابلے وچ رکھ کے دیکھی تے اونہوں مولوی صاحبؒ دے اگے گوڈے ٹیکنے پئے۔

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر حفیظ احمد)

19) حکیم سید محمود گیلانی صاحب اپنے مضمون ''عشق بھنا اخلاص نہلایا'' میں احسن القصص کے حوالے سے مولوی غلام رسولؒ عالمپوری کے فن کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں۔

سچ پچھو مولوی غلام رسولؒ دی احسن القصص کوئی اجہی کتاب نہیں جے اونہوں پڑھ کے ٹھپ چھڈ یا جاوے بلکہ اوہ بار بار پڑھن تے سمجھن دے لائق اے۔ جدوں پڑھئے نواں سواد اوندا اے تے سجرا نشہ چڑھدا اے۔

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر حفیظ احمد)

20) حمید اللہ شاہ ہاشمی صاحب احسن القصص کے حوالے سے مولوی غلام رسول صاحبؒ کے فن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

مولوی صاحبؒ نوں زبان اتے بے پناہ قدرت تے عبور حاصل اے۔ شعراں وچ روانی، دل کشی، اثر، جاذبیت، سوز، تڑپ بے پناہ اے، شعر انج کہندے سن جویں ٹھاٹھاں ماردا دریا زور شور نال

وگدا جار ہیا ہووے زبان پر زور تے قصے وچ خلوص جذبات تے اسلوب بیان دی کشش اے۔

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر حفیظ احمد)

21) قدر آفاقی یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ ہوراں دی شاعری وچ ایک مقصدیت لکی ہوئی اے۔ اوہ مقصدیت اے اخلاقی بلندی حاصل کر کے رب نال پکی پیڈی یاری دے عمل نوں مکمل کرنا۔

(احسن القصص ایک احسن قصہ، ادب پھوار، ص229)

22) سید سبط الحسن ضیغم اپنا اظہار یوں کرتے ہیں۔

داستان امیر حمزہ میں پچاس کے قریب مستورات کے سراپے رقم کیے گئے ہیں اور ہر سراپا پچاس ساٹھ شعروں میں بیان کیا گیا ہے لیکن کیا مجال کہ کہیں آدھا مصرعہ دہرایا گیا ہو۔ اسی طرح جنگ وجدل کا بیان ہے جس سے یہ کتاب بھری ہوئی لیکن اس کے بیان میں کہیں بھی غرابت نظر نہیں آتی۔ اس عظیم تخلیق کے چار سال بعد مولانا غلام رسول عالمپوری صاحبؒ نے احسن القصص (1290ھ/1873ء) تخلیق کی جس میں مولانا مرحوم خاتمۃ الشعراء مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے آگے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ احسن القصص میں تصوف کے دقیق مسائل انتہائی خوبصورتی اور پرکاری سے بیان کئے گئے ہیں۔ مولانا غلام رسول عالمپوری صاحبؒ نے جس انداز میں احسن القصص کو چار چاند لگائے ہیں ان کی بڑائی اور عظمت کی دلیل ہے۔ جس پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔ کتاب عام فہم ہونے کے باوجود اس قدر عمیق اور گہرے مطالب کو اندر سموئے ہوئے ہے کہ اس کا مطالعہ ادراک کی فکری بلوغت مانگتا ہے۔

(مولانا غلام رسول عالمپوریؒ، نوائے وقت، 18 جنوری 2003ء)

23) مولوی عبدالغفور اسلم نے اپنی منظوم پنجابی تفسیر یسیر جلد دوم میں سورہ یوسف کی تفسیر میں صرف مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ کے اشعار کو نقل کیا ہے۔ جیسے انہوں نے ''احوال گذارش'' کے عنوان میں پہلی جلد کے شروع میں لکھا ہے۔

''یہ تفسیر مولای غلام رسول صاحب مصنف احسن القصص (یوسف زلیخا) کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ میری ذاتی رائے ہے کہ پنجابی زبان کا ان سے بہتر کوئی شاعر نہیں ہوا تفسیر سورہ یوسف لکھتے وقت انہی

کے اشعار کو انکی کتاب سے ملخص کر کے لکھ دیا گیا ہے اگر چہ مولانا موصوف میرے ہم عصر نہیں اور نہ مجھے ان کا شرف دیدار حاصل ہوا ہے لیکن ان کی کتاب سے روحانی فیض ضرور حاصل ہوا ہے۔ کیونکہ ان کی کتاب بچپن سے زیر مطالعہ رہی ہے۔''

(مولوی عبدالغفور اسلم تفسیر یسیر جلد اوّل ،ص 4)

24) سید سبط الحسن ضیغم ایک اور جگہ اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

اشکے جایئے مولانا غلام رسول عالپوریؒ ہوراں دے ایس نکڑی عمروچ اوہناں اجہے شاہکار رچے کہ اوہنادی ایناں اُچ کوٹی دیاں رچناواں دی سار لین لئی وی بندے نوں چوداں علماں دا گیان حاصل کرنا پیندا اے۔

(اٹھ دردمنداں دیا دردیا تک اپنا پنجاب ،نوائے وقت، 30 جولائی 1999ء)

25) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ اپنے مقالے ''مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں'' میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

پنجابی زبان کا یہ دردمند اور آتش بیان شاعر منہ سے جو بات کرتا ہے وہ اُس کی دلی تپش کی ایسی جلتی ہوئی روشنی ہوتی ہے جس کے شعلے لوہے کے بنے ہوئے سخت بے درد اور سنگدل دلوں کو بھی تپش سے ڈھال دیتے ہیں۔ تصوف کی جو جو کیفیتیں اور حالتیں جب جب پیدا ہوتی رہیں مولوی غلام رسول عالپوریؒ کے ہر ہر رونگٹے میں رچ بس گئیں اور جب اظہار کی ضرورت پڑی تو احسن القصص اور چٹھیوں کی شکل میں ظاہر کر دیا۔ مختصر یہ کہ مولوی غلام رسول عالپوریؒ مکمل طور پر صوفی تھے۔ اُن کی صوفیانہ زندگی کو اگر چند الفاظ میں ادا کرنا ہو تو اُن کے ہم عصر لوگوں کا ایک ہی فقرہ کہہ دینا کافی ہے کہ ''اعمال نیک آپ پر عاشق ہیں''۔

(ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ، ''مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں'' مقالہ پی ایچ ڈی ،ص 193)

26) علامہ محمد حسین عرشیؒ اپنے مضمون ''پنجابی کا شاعر اعظم'' میں مولوی صاحبؒ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ مشرق و مغرب کے شعراء کی صفِ اول میں کھڑا کرنے کے لئے پنجابی

ادب کے ذخیرے میں کون شخص ہے تو میں بے تکلف کہہ دوں گا کہ حضرت مولوی غلام رسولؒ عالمپوریؒ۔ وقت آئے گا کہ پرستارانِ ادب مولوی غلام رسولؒ کی ہر ہر بات کو تلاش کریں گے اور ان کی اشاعت پر فخر کا سر بلند کریں گے۔ ان کی عالی پایہ تصانیف کو بے رحم تاجروں کے مظالم سے نجات دلائی جائے گی۔ ان کے حسین وجمیل اور محققانہ ایڈیشن چھاپے جائیں گے اور ان پر قابل قدر حواشی لکھے جائیں گے۔ مولوی صاحبؒ گوجر خاندان میں نشو ونما پاتے ہیں اور شعر میں مولانا نورالدین جامیؒ سے بھی سبقت لے جاتے ہیں۔ اگر کسی تذکرہ نویس یا مشہور مصنف نے ان کے متعلق کوئی تعریفی جملہ نہیں کہا تو حق یہ ہے کہ وہ اس کے بغیر بھی آفتابِ سخن ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ ہی ان کے تعارف کے لئے ہر معرف سے بڑھ کر ہیں۔

(نوادراتِ عرشی، 1991ء، پنجابی کا شاعر اعظم، ص 481، 485)

27) محمد عالم کپور تھلوی اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

اس طرح کے استاد تو کئی گزرے ہیں جنہوں نے چھوٹی عمر میں شعر کہنے شروع کر دیئے لیکن اس طرح کا عظیم انسان میری نظر سے نہیں گزرا جس نے باقاعدہ تصنیف کی ہو اور پھر وہ کتاب مقبول عام ہو کر ملک کے کونے کونے میں پہنچی اور پڑھی گئی ہو۔

(ڈونگھے وہناں دا شاعر، ص 41)

28) ڈاکٹر شہباز ملک مولوی صاحبؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

مکدی گل ایہہ کہ سید روشن علی ول لکھیاں مولوی غلام رسولؒ عالمپوری دیاں چٹھیاں ورد، فراق، فکر، خیال زبان تے بیان دے نال نال مجازی تے حقیقی عشق دا اک ان ملا خزانہ نیں جہناں تے پنجابی ادب نوں سدا ای مان رہے گا۔

(ڈونگھے راز، مولوی غلام رسولؒ دیاں چٹھیاں دردالفے، ص 184)

29) پنجاب یونیورسٹی لاہور کے بانی پروفیسر G.W.Leitner نے اپنی کتاب "Histroy Of Indigineous Education In The Punjab" کے حصہ دوئم کے صفحہ 49 میں لکھا ہے۔

"At Alampur, under the direction of the excellent Maulvi Ghulam Rasool, is a large maktab with 40 pupils, where Persian and Urdu are very well taught by him gratuitously".

30) محمد عزیز الدین اپنے مضمون میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

آپؒ کی طبیعت فطرتاً تصوف کی طرف مائل تھی۔ آپ اس فن میں عارف کامل تھے اور دیگر عرفا کی طرح مشرک نہ تھے۔ یعنی ان کی پیر پرستی حد سے متجاوز نہ تھی اور صوفیائے کرام کی ایسے تعظیم بجالاتے جو حد اعتدال سے نہ گزر جاتی۔ کل امور اوسط ہا کی طرف مائل تھے۔ آپ کے وجود سے اکثروں کو فائدہ پہنچا۔ آپ اپنی زندگی میں چشمہ فیض تھے۔ خیالات پاکیزہ تھے۔ شریعت کی پابندی لازمی جانتے تھے۔ اعمال حقہ اس قدر آپ سے ظہور میں آتے کہ لوگ حیران ہو کر اکثر کہا کرتے۔ اعمال نیک آپ پر عاشق ہیں۔

(ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ، ''مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں'' مقالہ پی ایچ ڈی، ص43)

31) ڈاکٹر اُتم سنگھ بھاٹیہ اپنے مقالہ پی ایچ ڈی میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری ایک درویش شاعر تھے۔ اس لئے جب وہ دنیاوی باتیں کرتے ہیں تو بھی اُن کی باتوں کی تہہ میں روحانیت جھلکتی نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ دنیاوی رشتوں کا بہانہ بنا کر الوکِک رمزیں کھول رہے ہیں۔

32) یہ نعمت جاوداں اسی شاعر کو حاصل ہوتی ہے جو براہ راست مکتب ازلی سے مستفیض ہو۔ جو حسن جملہ تلامیذ الرحمٰن ہونے کے شرف سے بہرہ مند ہو۔ دنیائے شعر کے لاکھوں شعراء میں سے گنتی کے چند شاعر اس مرتبہ پر فائز ثابت ہوں گے۔ انہی میں سے ایک مولوی، صوفی، حکیم، منجم، مفسر، شاعر، علامہ غلام رسول مصنف احسن القصص، داستان امیر حمزہ ہیں۔

(علامہ محمد حسین عرشی امرتسری، ڈوہنگے وہناں دا شاعر، ص۔د)

مولوی صاحبؒ کے بارے میں یوسف زلیخا کے اور دیگر شاعروں کی رائے

یہاں اُن شاعروں کا ذکر بے وجہ نہ ہوگا جنہوں نے مولوی غلام رسولؒ صاحب کے قصے احسن القصص کے بارے میں لکھا اور اس طرح انہوں نے مولوی صاحبؒ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ان شاعروں نے خود بھی یوسف زلیخا کے قصے لکھے ہیں۔ان میں مولوی دلپذیر، دائم اقبال دائم، عبدالرحمٰن درد کے علاوہ اور شاعروں کے نام بھی آتے ہیں۔

1) مولوی دلپذیر صاحب اپنے قصے یوسف زلیخا میں مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں

فیر غلام رسولؒ رسیلے سب دی کسر نکالی
کر گیا ختم کہانی پچھے شعر پنجابی والی
احسن القصص کتاب جو اس دی سب تھیں احسن ہوئی
اس دے جیہا پنجابی یوسف ہور نہ بنیا کوئی

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر حفیظ احمد)

2) منشی محمد شاہ سوار سکنہ کبیلیا نوالہ نے مولوی دلپذیر کی کتاب یوسف زلیخا پر اپنی رائے لکھتے ہوئے مولوی غلام رسول عالمپوری صاحبؒ کے بارے میں یہ لکھا

عالم پوریؒ غلام رسول اک شاعر گزریا بھائی
جوڑ گیا جیوں یوسف قصہ ہور نہ جوڑے کائی
نہ ہویا نہ ہووے ایسا شاعر کدی کدائیں
وچ پنجابی افضل سب تھیں بخشش اللہ سائیں

(پنجابی قصہ یوسف زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر حفیظ احمد)

3) دائم اقبال دائم نے بھی یوسف زلیخا کا قصہ لکھا ہے۔ دائم صاحب مولوی غلام رسولؒ کے بارے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

عالمپوری غلام رسول عالم ایس قصے دی حد مکا گئے نیں
شمع بال کے عشق عرفان والی راہ ایس دے بن راہ نما گئے نے

(پنجابی قصہ یوسفؑ زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر حفیظ احمد)

4) مولوی عبدالرحمٰن درد نے بھی یوسفؑ زلیخا کا قصہ لکھا ہے انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں مختلف شاعروں کے بارے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے بارے لکھتے ہیں۔

ہوئے غلام رسول مصنف واہ گلزار بنائی
اصل حقیقت بحر توحیدوں بھر کے ندی وگائی

(پنجابی قصہ یوسفؑ زلیخا دا تحقیقی تے تقابلی جائزہ، مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر حفیظ احمد)

5) محمد علی ایمن آبادی ''احسن القصص'' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

واہ ایہہ قصہ دردیں بھریا حضرت یوسف والا
خوب مصنف لائق اس دا بخشس پاک تعالےٰ
عالمپوری غلام رسول اک مرد خدا دا ہویا
اس قصے دا درداں والا ایہہ جس ہار پرویا
بولی وچ پنجابی ایسا دردیں بھریا قصہ
لکھنا سی سچ دنیا اُتے ایہہ اُوسے دا حصہ
کتنیاں ہور مصنفاں نیں بھی اِس قصے نوں لکھیا
سچ ایہا پر اوہدے جیہا نہ کوئی لکھ سکیا
گجھیاں رمزاں عشقے والیاں اس وچ ہین ہزاراں
پڑھیاں درد دِلے وچ آون گنتی باجھ شماراں

(ماہنامہ لہراں، مارچ 2008ء، ص 44)

6) محمد عیص عابد کپورتھلوی اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

مولوی صاحبؒ جو سینہ صاف جنہاں دا
در یتیم پروتے لڑیاں کامل شعر انہاں دا

(مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اپنی تصانیف کی روشنی میں، محمد عیص عابد، ص168)

7) ڈاکٹر صابر آفاقی اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

رُتبہ اوہدا لاثانی ہے اُچا اوہدا پایہ
عالم پور دا شاعر سارے عالم اُتے چھایا
سلک گہر دا مصرعہ اوہدا شعر پھلاں دا گجرا
اونے جہڑا اکھر لکھیا اج وی لگدا سجرا
اوہدا نقطہ عشق دا نکتہ گُجیاں رمزاں والا
ایڈا شاعر فر کد جمنا واہ سبحان تعالیٰ

(ماہنامہ لہراں، مارچ 2008ء، ص52)

8) علامہ نادر جاجوی اپنے اشعار میں مولوی صاحبؒ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

عالم پور نوں سب عالم دے عالم کرن سلاماں
عالم پوری غلام رسول نوں پڑھیا خاصاں عاماں
جتھے کیتا جو وی کیتا لفظاں دا ورتارا
اک اک لفظ نگینے جڑیا شہپارہ شہپارہ
اُچ کوٹی دے شاعر غلام رسول نوں دُنیا جانے
پنجابی دا مان اے شالا جُگ جُگ عزت مانے
اُہدیاں سب تصنیفاں روشن نورانی، نورانی
آپے یاد اُوہ ہُندیاں جاون ایسی شعر روانی

جیہدا کم قرآن دے صدقے گھاٹے وچ نہیں آنا
جو کلام جیویں پڑھ ہُندا ایداں اِی پڑھیا جانا
شعراں دے فیضان دی اس درگاہ دا اُچا ناتواں
سوچ رہیاں اس نظم دا نادر کیہ رکھاں سرناتواں

(ماہنامہ لہراں، مارچ 2008ء، ص 50)

9) ڈاکٹر محمد ریاض شاہد اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

علم ادب دا مان غلام رسول
اکھراں دا سلطان غلام رسول
شاعراں وچ پردھان غلام رسول
ورثے دی پچھان غلام رسول
لکھ لکھ چٹھیاں قصے سی حرفی
ملیا ادب میدان غلام رسول
اوہناں گلاں نوں کیتا منظوم
جو جو وچ قرآن غلام رسول
شعراں اندر دے کے درس اخلاقی
انج کیتا احسان غلام رسول
ربی عشق نوں جاتا جس بنیاد
اوہ کامل انسان غلام رسول
شعراں دے وچ فن دی جوت جگا
کردتا حیران غلام رسول

(ماہنامہ لہراں، مارچ 2008ء، ص 52)

10) فاروق احمد خان اپنے اشعار میں مولوی صاحبؒ کے حضور اپنا نذرانہ عقیدت یوں پیش کرتے

ہیں۔

پنجاب کی پہچان تھا وہ لا جواب تھا
علم و ادب کی سلطنت کا آفتاب تھا
پھیلے ہوئے مایوسیوں کے ماہ و سال میں
وہ روشنی کی کرن تھا تازہ گلاب تھا
قرآن کی تفسیر تھی سب احسن القصص
پنجابی شاعری کا اک عہد شباب تھا
فاروق تھا وہ شاعری کا سیلِ بے کراں
وہ چشمہ ختم الرسلؐ سے فیض یاب تھا

(ماہنامہ لہراں، مارچ 2008ء، ص52)

11) ڈاکٹر شوکت علی قمر اپنے اشعار میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

اوہ شاعر دُکھ درداں والا جس دی مثل نہ کائی
اوہدے شعراں اندر ہے سی عجب تاثیر سمائی
ڈونگھ سمندراں والا تارُو، جگدے اکھراں والا
اوہدی کِلک دی نوک تے چمکے سورج فقراں والا
رب دا سچا عاشق اوہدے اندر نگھ اولیائی
اُس عرفان دی سُچی خوشبو جگ دے وچ مہکائی
مست مدامی مرد قلندر محرم سی اِسراراں
سُچی سپ دا سُچا موتی، چمکاں چین ہزاراں

(ماہنامہ لہراں، مارچ 2008ء، ص52)

12) حکیم محمد رمضان اپنے اشعار میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے بارے میں یوں اظہار خیال

کرتے ہیں۔

سدا غلام رسول صاحبؒ دا نام رہے گا زندہ
سورج چند ستاریاں وانگوں سخن رہن تابندہ
وچ پنجاب اہناں دا ثانی شاعر ہور نہیں جی
وانگ شہباز کوئی اڈ سکدا ترّ مور نہیں جی
اَج وی شاعر شعر اہناندے حیراں ہوندے پڑھ کے
اکناں سبق سکھن آدابوں تے اکناں رشکوں سڑدے
شان اہناندی آپ ودھائی اللہ شاناں والے
شالا حصہ پان کرم تھیں پڑھنے سننے والے
اہ وی لکھ احسان خدا دا ورنہ اہ گل کتھے
اوتھے میرا فہم نہ پہنچے قدم اہناں دا جتھے
رکھے رب ہمیشہ شہرہ وچ عوام اہناں دا
رہن سدا اُہ شاداں فرحاں پڑھن کلام اہناں دا
یاری نال کلام اُہناندے اُہ استاد روحانی
یاد غلام رسول صاحب دی لکھیے دل وچ ٹھانی

(ماہنامہ لہراں، مارچ 2008ء، ص50)

حواشی

1) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔ڈوبنگے وہناں دا شاعر۔ص،ھ

2) یہ تمام معلومات مجھے اپنی والدہ محترمہ رضیہ بیگم، اپنی خالہ محترمہ مسعودہ بیگم، اپنے ماموں چوہدری عبدالرشید، خلفیہ فضل الدین پٹواری اور کچھ معلومات محمد عالم کپورتھلوی کی کتاب ''ڈونگھے وہناں دا شاعر'' اور مولوی صاحبؒ کے اپنے اشعار سے حاصل ہوئیں اور پھر جب میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے مزار اقدس پر حاضری دینے کیلئے خود عالمپور انڈیا گیا تو آپؒ کے مزار اقدس پر لگے کتبے پر بھی آپ کی تاریخ پیدائش 29 جنوری 1849ء اور تاریخ وفات 7 مارچ 1892ء تھی اور یہی تاریخیں میرے لکھے کے مطابق درست ہیں اور وہاں کے لوگوں سے بھی ان معلومات کی تصدیق ہوئی ہے۔

3) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ

4) موجودہ فیصل آباد اُس وقت لائل پور تھا

5) یہ تمام معلومات مجھے اپنی والدہ محترمہ رضیہ بیگم، اپنی خالہ محترمہ مسعودہ بیگم، اپنے ماموں چوہدری عبدالرشید، خلفیہ فضل الدین پٹواری اور کچھ معلومات محمد عالم کپورتھلوی کی کتاب ''ڈونگھے وہناں دا شاعر'' اور مولوی صاحبؒ کے اپنے اشعار سے حاصل ہوئیں اور پھر جب میں مولوی غلام رسول عالمپوریؒ کے مزار اقدس پر حاضری دینے کیلئے خود عالمپور انڈیا گیا تو آپؒ کے مزار اقدس پر لگے کتبے پر بھی آپ کی تاریخ پیدائش 29 جنوری 1849ء اور تاریخ وفات 7 مارچ 1892ء تھی اور یہی تاریخیں میرے لکھے کے مطابق درست ہیں اور وہاں کے لوگوں سے بھی ان معلومات کی تصدیق ہوئی ہے۔

6) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص136، 477

7) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص133، 134

8) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ

9) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔مآ رب الخاشعین۔ص1

10) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

11) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

12) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ۔ ص258

13) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ۔ ص259

14) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

15) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص486

16) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چٹھی بنام سید روشن علی۔ ص36

17) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

18) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

19) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

20) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

21) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

22) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

23) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

24) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ روح الترتیل۔ غیر مطبوعہ

25) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ حلیہ شریف حضورﷺ

26) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ حلیہ شریف حضورﷺ

27) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ حلیہ شریف حضورﷺ

28) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ حلیہ شریف حضورﷺ

29) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ حلیہ شریف حضورﷺ

30) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ حلیہ شریف حضورﷺ

31) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چٹھی بنام روشن علی۔ ص21

32) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چٹھی بنام روشن علی۔ ص20

33) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ سی حرفی سسی پنوں۔ ص60

34) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ سی حرفی سسی پنوں۔ ص62

35) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ سی حرفی سسی پنوں۔ ص63

36) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چوپٹ نامہ

37) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چوپٹ نامہ

38) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چوپٹ نامہ

39) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ پندھ نامہ

40) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص382 تا 385

41) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص385 تا 386

42) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص146

43) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص125

44) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص126

45) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص127، 128

46) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص127

47) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص127

48) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص127

49) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص128، 129

50) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص۔ ص130

51) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص130

52) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص133، 134، 135

53) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص137، 486

54) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص136، 137

55) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص136

56) مولوی صاحبؒ نے احسن القصص میں اپنے اشعار میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اُن میں قرآن، حدیث، تفسیر غزالی، جامی کی زلیخا اور توریت۔ مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں

اس وچ مطلب خاص قرآنوں سورت یوسفؑ والی
سبھ تفسیر حدیث نبیوں کہے امام غزالی
خام روایت میں وچ اس دے داخل کراں نہ مُولے
ہووے خطا سوارن صالح صاحب عجز قبولے
ایہہ تفسیر غزالی وچوں اکثر مطلب پائے
حال زلیخا جامی کولوں جیوں سننے وچ آئے
موسیٰ دی توریت جو اجکل ہے مشہور اتھائیں
بعض اعانت اس تھیں پکڑی دیکھ مطابق جائیں
پر جو وچ کتب اسلامی کامل پتا نہ پایا
حرف اجیہا وچ بیانے میں نہ مول لیایا

57) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈوہنگے وہناں دا شاعر۔ص146

58) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ

59) ڈاکٹر اُتم سنگھ بھاٹیہ۔مقالہ پی ایچ ڈی

60) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

61) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

62) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چٹھی بنام ہیرے شاہ۔ ص38،39
63) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
64) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص90
65) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چٹھی بنام غلام یٰسین۔ ص51
66) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
67) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
68) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
69) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص93
70) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
71) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
72) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ چٹھی بنام روشن علی۔ ص24
73) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
74) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص108
75) محمد عالم کپور تھلوی۔ ڈوہنگے وہناں دا شاعر۔ ص30،31
76) محمد عالم کپور تھلوی۔ ڈوہنگے وہناں دا شاعر۔ ص32
77) محمد عالم کپور تھلوی۔ ڈوہنگے وہناں دا شاعر۔ ص32
78) سید سبط الحسن ضیغم۔ نوائے وقت۔ 30 جولائی 1999ء
79) محمد عالم کپور تھلوی، ڈوہنگے وہناں دا شاعر۔ ص33
80) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ۔ جلد اوّل۔ ص2

81) سید سبط الحسن ضیغم۔نوائے وقت۔18 جنوری 2003ء
82) سید سبط الحسن ضیغم۔نوائے وقت۔18 جنوری 2003ء
83) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ۔جلد اوّل۔ص 3
84) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ۔جلد اوّل۔ص 3
85) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ۔جلد اوّل۔ص 3
86) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ۔جلد اوّل۔ص 6
87) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 35، 36
88) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ۔جلد اوّل۔ص 6
89) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 36، 37
90) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 37، 38
91) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 38، 39
92) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ
93) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ
94) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 39
95) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ
96) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 43، 44
97) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 44، 45، 46
98) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ
99) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 47
100) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 47
101) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 55
102) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 56

103) فردوسی۔شاہنامہ

104) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔داستان امیر حمزہ

105) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈوہنگے وہناں داشاعر۔ص59 تا 62

106) فردوسی۔شاہنامہ

107) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔داستان امیر حمزہ

108) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈوہنگے وہناں داشاعر۔ص64 تا 66

109) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈوہنگے وہناں داشاعر۔ص66 تا 68

110) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادرات عرشی۔ص490، 491

111) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈوہنگے وہناں داشاعر۔ص152، 155

112) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص125

113) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص126

114) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص492، 493

115) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔چٹھی بنام روشن علی

116) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص136

117) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص135

118) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص486

119) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص129، 130

120) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

121) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص500

122) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص501

123) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص130

124) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص۔ص131، 132

125) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص133

126) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص133

127) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص503،504

128) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص۔ص134،135

129) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص507

130) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص508

131) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

132) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص511

133) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص516

134) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص518

135) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

136) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

137) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص523،524

138) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص528

139) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

140) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

141) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

142) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص530

143) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

144) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

145) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص531

146) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

147) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

148) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

149) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص557

150) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

151) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

152) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

153) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

154) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

155) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص558

156) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

157) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

158) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

159) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

160) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

161) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

162) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

163) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

164) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

165) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔نوادراتِ عرشی۔ص546

166) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

167) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

168) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

169) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
170) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
171) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
172) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
173) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
174) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
175) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
176) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
177) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
178) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
179) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
180) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
181) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
182) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
183) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
184) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
185) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
186) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
187) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
188) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
189) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص
190) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

191) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

192) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

193) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

194) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

195) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

196) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

197) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

198) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

199) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

200) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

201) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

202) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

203) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

204) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

205) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

206) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

207) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

208) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔احسن القصص

209) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں، مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص213

210) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔داستان امیر حمزہ

211) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں، مقالہ پی ایچ ڈی۔
ص231
212) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
213) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
214) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
215) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں، مقالہ پی ایچ ڈی۔
ص234
216) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
217) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
218) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
219) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
220) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
221) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
222) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔
ص241، 242
223) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
224) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
225) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
226) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔ مقالہ پی ایچ ڈی۔
ص243
227) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ

228) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں۔مقالہ پی ایچ ڈی۔

ص249،250،251،254،260

229) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں' مقالہ پی ایچ ڈی۔

ص281

230) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

231) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

232) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

233) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

234) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

235) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

236) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

237) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

238) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں' مقالہ پی ایچ ڈی۔

ص300،302،303

239) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

240) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

241) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

242) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

243) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

244) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

245) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

246) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

247) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

248) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

249) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

250) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

251) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

252) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

253) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

254) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

255) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

256) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

257) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

258) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔ نوادراتِ عرشی۔ ص540 تا 542

259) علامہ محمد حسین عرشی امرتسری۔ نوادراتِ عرشی۔ ص542، 543

260) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

261) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

262) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

263) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

264) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

265) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

266) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

267) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔ احسن القصص

268) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔ مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں' مقالہ پی ایچ ڈی۔ ص332
269) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ احسن القصص
270) محمد عالم کپور تھلوی، ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ ص50
271) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
272) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
273) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
274) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
275) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
276) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
277) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
278) محمد عالم کپور تھلوی، ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ ص52
279) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
280) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
281) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
282) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ داستان امیر حمزہ
283) محمد عالم کپور تھلوی، ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ ص53
284) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ چٹھی بنام روشن علی
285) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ چٹھی بنام روشن علی
286) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ چٹھی بنام روشن علی
287) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم صاحبزادہ مسعود احمد
288) مولوی غلام رسول عالمپوریؒ۔ غیر مطبوعہ مملوکہ راقم صاحبزادہ مسعود احمد

289) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

290) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

291) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

292) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔داستان امیر حمزہ

293) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔مملوکہ راقم صاجزادہ مسعود احمد

294) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔مملوکہ راقم صاجزادہ مسعود احمد

295) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔احسن القصص

296) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔چٹھی بنام روشن علی

297) مولوی غلام رسول عالپوریؒ۔چٹھی بنام روشن علی

298) مولوی غلام رسول عالپوری۔ڈونگھے راز۔ص 11

299) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ۔مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں' مقالہ پی ایچ ڈی۔
ص 75،76

300) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 19

301) محمد عالم کپورتھلوی۔ڈونگھے وہناں دا شاعر۔ص 139،140

کتابیات

داستان امیر حمزہ (جلد اول)، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

داستان امیر حمزہ (جلد دوم)، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

داستان امیر حمزہ (جلد سوئم)، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1959ء، لاہور

چٹھیاں، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، کتب خانہ شرف الرشید، مئی 1962ء، شاہکوٹ

سی حرفی سسی پنوں، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، کتب خانہ شرف الرشید، مئی 1962ء، شاہکوٹ

پندھ نامہ، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، کتب خانہ شرف الرشید، مئی 1962ء، شاہکوٹ

چوپٹ نامہ، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، کتب خانہ شرف الرشید، مئی 1962ء، شاہکوٹ

حلیہ شریف حضورﷺ، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، کتب خانہ شرف الرشید، مئی 1962ء، شاہکوٹ

روح الترتیل، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ (قلمی) مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد، فیصل آباد

احسن القصص، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، عزیز پبلشرز، 1989ء، لاہور

مآرب الخاشعین (عکسی)، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ، پنجابی ادبی اکیڈمی 1977ء، لاہور

مسئلہ توحید (قلمی)، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد، فیصل آباد

شجرۂ طریقت (قلمی)، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد، فیصل آباد

روزنامہ نوائے وقت، سید سبط الحسن ضیغم، ہفتہ 18 جنوری 2003ء

روزنامہ نوائے وقت، سید سبط الحسن ضیغم، ہفتہ 30 جولائی 1999ء

ڈونگھے وہناں دا شاعر، محمد عالم کپور تھلوی، تاج بک ڈپو

ڈونگھے راز، صاحبزادہ مسعود احمد، حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ اکیڈمی (رجسٹرڈ)، ستمبر 1999ء

نوادرات عرشی، ڈاکٹر تصدق حسین راجا، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، 1991ء

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ دی حیاتی تے کتاباں، مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر صادق جنجوعہ، 1983ء

حضرت مولوی غلام رسول عالپوریؒ دی احسن القصص دی مقبولی دی وجہ، مقالہ پی ایچ ڈی، ڈاکٹر حفیظ احمد

ڈاکٹر اُتم سنگھ بھاٹیہ، مقالہ پی ایچ ڈی

خط، ڈاکٹر کرنیل سنگھ، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد

خط، ڈاکٹر جگتار سنگھ، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد

پیغام، مسٹر آئی کے گجرال، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد

پیغام، فخر زمان، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد

مضمون، محمد عیض عابد، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد

مضمون، قدر آفاقی، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد

مضمون، عبدالغفور قریشی، مملوکہ صاحبزادہ مسعود احمد